www.urducouncil.nic.in

ستمبر 2025 ، قیمت :- 15 ₹

ماهنامه

# بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

## قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

# ماہنامہ اردو دنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

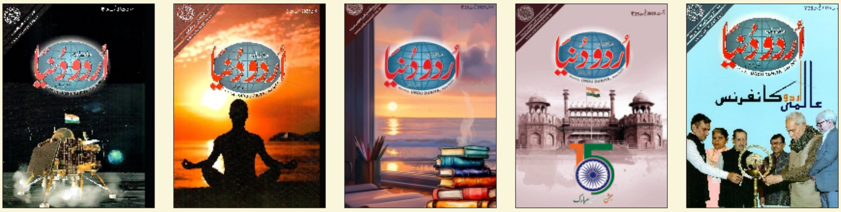

**تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ**

ہر شمارے میں پڑھیے ،اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

# سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

**آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے**

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

# بچوں کی دنیا

جلد: 13 شمارہ: 09 ستمبر 2025

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ تعلیم۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /15 روپے، سالانہ/145 روپے


▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں


Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194


# اس شمارے میں

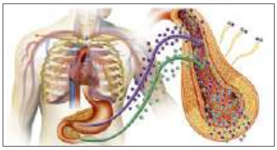

| | | |
|---|---|---|
| اداریہ | مدیر | 04 |
| ڈاک خانہ | قارئین | 05 |
| **یومِ اساتذہ** | | |
| ہمارے استاد | کیف احمد صدیقی | 07 |
| استاد کے نام ایک خط | محمد قمر سلیم | 08 |
| مثالی طالب علم | نکہت انجم ناظم الدین | 10 |
| معلم کے دم سے ہے دنیا یہ روشن | احمد وکیل علیمی | 13 |
| استاد کی ڈانٹ | ثمینہ بانو محمد افضال | 14 |
| **مضامین** | | |
| ہمفری ڈیوی کی کہانی | سید شہاب الدین دسنوی | 17 |
| پتنگ : خوشیوں کا رنگین کھلونا | عادل حیات | 20 |
| **نظمیں** | | |
| تندرستی ہزار نعمت ہے | محمد شفیع الدین نیر | 24 |
| کتابیں | ظفر کمالی | 25 |
| مزیدار جامن | عبدالرزاق دل کھولا پوری | 26 |
| تم تو اچھے بچے ہو | امان الحق بالا پوری | 27 |
| میں ہوں کمپیوٹر | انیس الرحمن انیس | 28 |
| کتنی میٹھی زبان ہے اردو | اشتیاق احمد راشد | 29 |
| تتلی | اصغر شمیم | 29 |
| شیر میاں کی شادی | صدف جمال | 30 |
| **ڈراما** | | |
| سایہ جو سورج کو نگل گیا | شبیر احمد | 31 |
| **کہانیاں** | | |
| زیبرا کراسنگ | محمد اسد اللہ | 34 |
| دایاں کان | رئیس صدیقی | 37 |
| عصام اور پتنگ | نصرت شمسی | 39 |
| کاہل اور سست جانور | ناظمہ پروین | 42 |
| ٹپکتی بوندیں | محمد سرفراز تنور | 44 |
| ہمت نہ ہارنا | عطاء الرحمن | 46 |
| نئی راہ کی تلاش | فیضان حیدر | 48 |
| **سائنس** | | |
| دنیا کا سب سے بڑا اور بدبودار پھول | شیخ تقدیس فاطمہ شیخ گلاب | 51 |
| **صحت** | | |
| ذیابیطس (Diebatis) | جاوید احمد سعیدی کامٹوی | 54 |
| **واقفیت عامہ** | | |
| تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات | ادارہ | 59 |
| **ننھے فنکار** | | |
| پینٹنگ | | 60 |

پیارے بچو! 5 ستمبر کو ہر سال یوم اساتذہ منایا جاتا ہے۔ یہ دن ان عظیم ہستیوں کے نام وقف ہے جو ہمیں صرف کتابیں پڑھنا نہیں سکھاتے بلکہ ہمیں ایک اچھا اور سچا انسان بننے کا راستہ بھی دکھاتے ہیں۔

طالب علم کی سوچ، کردار اور مستقبل کو سنوارنے میں اساتذہ کا کلیدی رول ہوتا ہے۔ ایک استاد اپنے شاگرد کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب و کامران ہو سکے۔ اساتذہ چراغ کے مانند ہوتے ہیں جو خود پگھل کر اپنے طالب علموں کو علم کی روشنی سے منور کرتے ہیں، ان کا ہر قدم اور ہر عمل بچوں کے مستقبل کو سنوارنے کے لیے ہوتا ہے اور ان کی ڈانٹ اور سختی میں بھی اپنا پن ہوتا ہے۔ ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ ان کا طالب علم زندگی کے ہر میدان میں کامیاب ہو اور فتح وظفر اس کا نصیب ہو۔ اساتذہ کی مثال ایک مالی کی طرح ہے کہ جس طرح ایک مالی بیج کو درخت بنانے میں صبر، محبت اور لگن کا مظاہرہ کرتا ہے اسی طرح ایک استاد بھی اپنے طالب علم کو سنوارنے اور ایک اچھا انسان بنانے میں اپنا قیمتی وقت صرف کرتا ہے۔

پیارے بچو! کیا آپ جانتے ہیں کہ 5 ستمبر کا دن ہی یومِ اساتذہ کے لیے کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟ اس لیے کہ ماہر تعلیم اور ہندوستان کے دوسرے صدر جمہوریہ ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن اسی دن 1888 میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے صدر جمہوریہ منتخب ہونے کے بعد دوستوں اور شاگردوں نے یوم پیدائش منانے کی درخواست کی تو انھوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میری سالگرہ کو یوم اساتذہ کے طور پر منایا جائے تاکہ معاشرے میں استاد کے مقام اور اہمیت کو اجاگر کیا جا سکے۔

بچو! یہ ٹیکنالوجی اور سائنس کی صدی ہے، اس کی وجہ سے تعلیمی میدان میں ایک انقلاب برپا ہو گیا ہے، ایسے میں اساتذہ کا کام اور ان کی ذمے داریاں اور بڑھ جاتی ہیں۔ اس دور میں ان کا کام صرف کتابیں پڑھانے تک محدود نہیں ہے بلکہ بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کرنا بھی ان کے فریضے میں شامل ہے۔ سوشل میڈیا اور گیمز وغیرہ کے استعمال کی وجہ سے بچوں میں جو منفی رجحانات پیدا ہو رہے ہیں انھیں ان نقصاندہ اثرات سے بچا کر ایک باشعور شہری بنانا بھی اساتذہ کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔

پیارے بچو! یوم اساتذہ صرف ایک دن کا جشن نہیں ہے بلکہ یہ اس وعدے کا نام ہے کہ ہم اساتذہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گے، محنت سے تعلیم حاصل کریں گے اور علم کے ساتھ اپنے کردار کو بھی بہتر بنائیں گے۔

یوم اساتذہ کی مناسبت سے ستمبر 2025 کے شمارے میں کچھ نگارشات شامل کی گئی ہیں ان کے مطالعے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اساتذہ کسی بھی معاشرے کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر ہم بااخلاق اور ترقی یافتہ معاشرہ چاہتے ہیں تو ہمیں ہر حال میں اساتذہ کا احترام کرنا ہوگا۔

آپ کا

شمس اقبال

# ڈاک خانہ

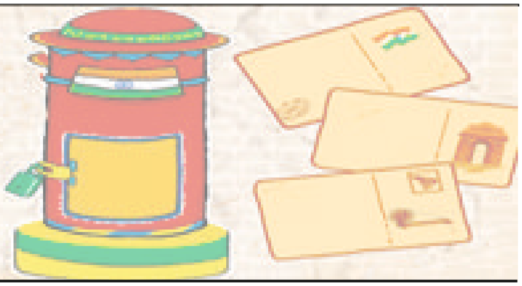

'بچوں کی دنیا' اگست 2025 کا شمارہ دیکھا۔ مشمولات دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ صرف 64 صفحات میں مضامین، نظمیں، کہانیاں، سائنس، صحت اور واقفیت عامہ جیسے اہم گوشے کو شامل کیا گیا ہے۔ اداریے میں اگست کے مہینے کی مناسبت سے یوم آزادی اور اس کی تاریخی حیثیت پر مختصر مگر معلوماتی گفتگو کی گئی ہے۔ ابھی سے بچوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اس وطن کو آزاد کرانے کے لیے مجاہدین آزادی نے کیا کیا قربانیاں دی ہیں، تبھی ان کے دلوں میں مجاہدین آزادی کے تئیں محبت اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ یوم آزادی پر ایک مکمل اور بھرپور گوشہ ہے جس کے تحت نظمیں اور مضامین دی گئی ہیں۔ یہ سب مضامین اور نظمیں اچھی ہیں اور ان کے مطالعے سے بچوں کے ساتھ ساتھ ہم جیسے بڑوں کو بھی بہت کچھ نیا سیکھنے کو ملے گا۔ کاغذ کے ایک روپے کی کہانی جو کہ سید پرویز قیصر کا مضمون ہے، پڑھ کر اچھا لگا۔ اسے پڑھنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے ساتھ برٹش کے زمانے کی اور بھی بہت سی چیزوں کا علم ہوا۔ نظموں کا انتخاب بھی اچھا ہے لیکن میرا ایک ذاتی مشورہ ہے کہ وہی نظمیں دی جائیں جن میں اوزان و بحور کا خاص خیال رکھا گیا ہو۔ آزاد اور نثری نظموں سے اجتناب کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا، اس لیے کہ بچوں کو لگنا چاہیے کہ نظم کیا ہوتی ہے کیسی ہوتی ہے؟ ابتدا سے ہی انھیں بتانا ضروری ہے کہ نظم کی اصلی شکل وصورت کیا ہوتی ہے۔ محمد خلیل نے اپنے مضمون 'کیلے کی کذائی اہمیت' میں کیلے کے تعلق سے اچھی گفتگو کی۔ ان کے مضمون میں کئی ایسی چیزیں ہیں، جس کا علم مجھے پہلی بار ہوا۔ اس کے علاوہ سبرامنیم چندر شیکھر اور تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات بھی بچے اور بڑے سب کے لیے مفید ہے۔

محمد ابصار، بیتا، لہیریا سرائے، دربھنگہ

اگست 2025 کا شمارہ موصول ہوا۔ اس کا دیدہ زیب سرورق دیکھ کر مسرت کا احساس ہوا۔ اداریے میں محترم مدیر نے پندرہ اگست کے حوالے سے نہایت قیمتی اور پرمغز گفتگو کی ہے۔ اس شمارے کی فہرست پر نگاہ ڈالی جائے تو طبیعت خوشی سے سرشار ہوجاتی ہے۔ شمارے میں پندرہ اگست کے موضوع پر نظمیں بھی ہیں اور مضامین بھی ہیں۔ اس کے ایک مضمون کا عنوان ہے 'بچوں میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کریں' احسان عالم اس کے مضمون نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے اس مضمون میں بچوں کے اندر حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے اور بتایا ہے کہ والدین اور اساتذہ ہی اس اہم کام کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ بچوں کے ذہن و دل کے بہت قریب ہوا کرتے ہیں۔ آزادی کے موضوع پر رباعیات بھی پیش کی گئی ہیں۔ مضمون 'یوم آزادی ایک عظیم دن کی یادگار' میں بھی تحریک آزادی کے تعلق سے ہونے والی عظیم الشان

فاطمہ اردو پرائمری اسکول، کراڑ پورہ، سمبھا جی نگر (اورنگ آباد)، مہاراشٹر کے بچے/ بچیاں ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ کرتے ہوئے

کوششوں کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس طرح کے مضامین پڑھ کر نہ صرف ہم تحریک آزادی کے واقعات سے آشنا ہوتے ہیں بلکہ بچوں کے ساتھ بڑوں میں بھی حب الوطنی کا احساس انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو یوم آزادی کے تعلق سے شمارے میں ایک خصوصی گوشے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس خصوصی گوشے کے علاوہ بھی شمارے میں اچھے اور معیاری مضامین، کہانیاں اور نظمیں موجود ہیں جو شمارے کے معیار میں اضافے کا سبب بھی ہیں اور پڑھنے والوں کو اپنی جانب متوجہ بھی کرتی ہیں۔ فہرست میں موجود قلم کاروں کی جانب نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ بعض نئے لکھنے والے ہیں اور بعض بہت منجھے ہوئے قلم کار بھی ہیں۔ نظموں کے ساتھ ساتھ اس شمارے کی کہانیاں بھی بہت دلچسپ ہیں۔ بچوں کی انوکھی دنیا، رنگ برنگی چھتری اور پتنگ، شناخت، پنجرے والی نانی، ماں کی قربانی، آؤ تمھیں چاند پر لے جائیں، فیضان اور اونٹ اور نئی اڑان کا شمار اچھی کہانیوں میں ہوگا۔ اسی کے ساتھ سائنس پر پیش کیا گیا احرار حسین کا مضمون بھی بہت اہم اور معلومات میں اضافہ کرنے والا ہے۔

'کیلے کی غذائی اہمیت' پر محمد خلیل کا مضمون بہت اہم اور معلوماتی ہے۔ ان مضامین کو پڑھ کر ہماری نہ صرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، بلکہ طبیعت بھی سرشار ہو جاتی ہے لہٰذا میں اس شمارے میں شامل تمام قلم کاروں کو بہت مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

عبدالرحمٰن، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' بابت جولائی خوب ہے۔ عمدہ طباعت، نفیس کاغذ اور باتصویر مضامین، کہانیاں اور نظمیں۔ واہ کیا بات ہے۔ ساجد منیر کا مضمون 'تعلیم و تربیت میں مادری زبانوں کا کردار' مختصر اور جامع ہے۔ چھوٹے بچوں کو ان کی مادری زبان میں ہی تعلیم دینی چاہیے تا کہ وہ چیزوں کو جلدی اور بہتر طریقے سے سیکھ اور سمجھ سکیں۔ جاوید قمر لیاقتی کا مضمون 'اردو ادب اور بچوں کی دنیا' بہت پسند آیا۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ''بچوں کے لیے ادب تخلیق کرنا بظاہر آسان نظر آتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک نہایت مشکل اور سنجیدہ کام ہے۔'' واقعی جو شاعر و ادیب بچوں کے لیے لکھتے ہیں وہ اپنا خون جگر پیش کرتے ہیں۔ میں خود بچوں کے لیے لکھتا ہوں اس لیے اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہوں۔ 'ہم بادل کہلاتے ہیں' اور 'مینڈکوں کا گیت' دونوں باکمال شاعروں کی بہترین نظمیں ہیں۔ دیگر مشمولات بھی اچھے ہیں۔ اللہ کرے یہ رسالہ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔

محمد وزیر عالم، مدرسہ رحمت العلوم نو کاٹولہ رکسول، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

کیف احمد صدیقی



# ہمارے استاد

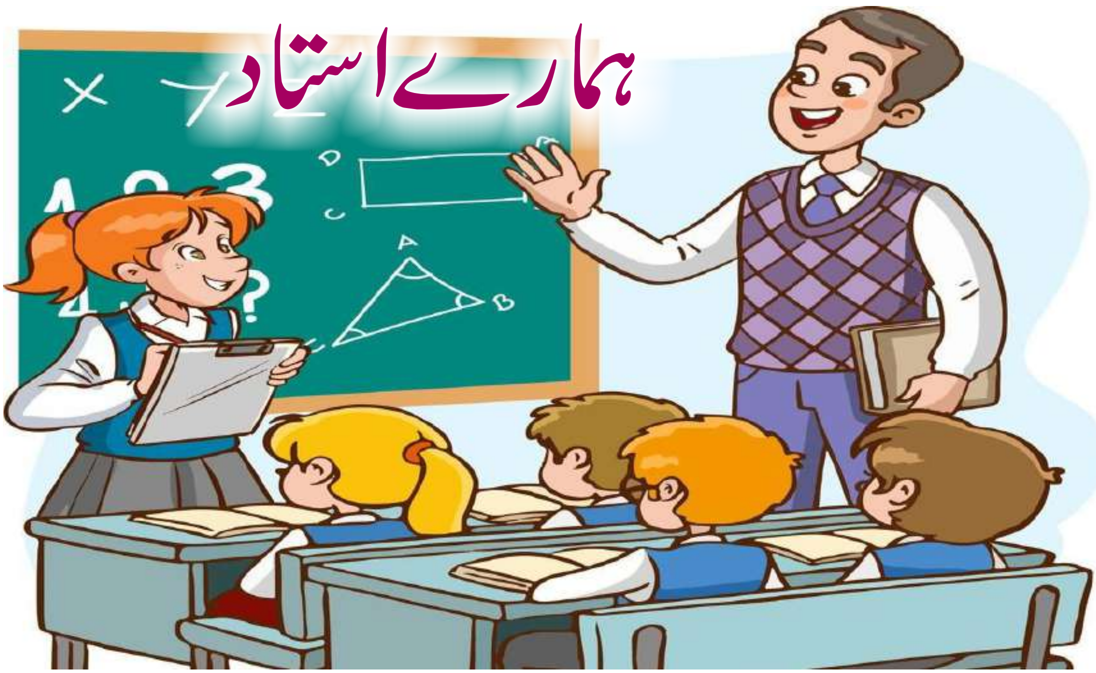

کتنی محنت سے پڑھاتے ہیں ہمارے استاد
ہم کو ہر علم سکھاتے ہیں ہمارے استاد

سب کو تہذیب و تمدن کا سبق دیتے ہیں
ہم کو انسان بناتے ہیں ہمارے استاد

توڑ دیتے ہیں جہالت کے اندھیروں کا طلسم
علم کی شمع جلاتے ہیں ہمارے استاد

ہم کو دیتے ہیں بہر لمحہ پیام تعلیم
اچھی باتیں ہی بتاتے ہیں ہمارے استاد

منزل علم کے ہم لوگ مسافر ہیں مگر
راستہ ہم کو دکھاتے ہیں ہمارے استاد

خود تو رہتے ہیں بہت تنگ و پریشان مگر
دولت علم لٹاتے ہیں ہمارے استاد

زندگی نام ہے کانٹوں کے سفر کا لیکن
راہ میں پھول بچھاتے ہیں ہمارے استاد

ہم پہ لازم ہے کہ ہم لوگ کریں ان کا ادب
کس محبت سے بڑھاتے ہیں ہمارے استاد

دل میں ہر لمحہ ترقی کی دعا کرتے ہیں
ہم کو آگے ہی بڑھاتے ہیں ہمارے استاد

■

ماخذ: ریختہ ڈاٹ او آر جی

محمد قمر سلیم

# استاد کے نام ایک خط

**بچو!** ذیل میں ایک ایسی عظیم شخصیت کا خط پیش کیا جا رہا ہے جو انھوں نے اپنے بچے کے استاد کو لکھا تھا۔ خط کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے اس لیے خط کو الگ الگ حصوں میں بانٹ دیا ہے لیکن اس سے اس کے متن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور مفہوم بھی نہیں بدلا ہے۔

خط کچھ اس طرح ہے:

محترم استاد!

### پسینے کی کمائی بہتر ہے:

میں جانتا ہوں کہ ان سب میں وقت لگے گا لیکن جہاں تک ہو سکے اسے یہ بات ضرور ذہن نشین کرائیں کہ پسینہ بہا کر کمایا گیا ایک روپیہ ان پانچ روپیوں سے بدرجہا بہتر ہے جو مفت میں حاصل کیے گئے ہوں۔ اسے ایسی تعلیم دیں کہ وہ ناکامی اور شکست کو برداشت کر سکے، کامیابی اور جیت کی خوشی سے لطف اندوز ہو سکے۔

### اسے حسد سے دور رکھیں:

اگر آپ کر سکتے ہیں تو اسے حسد سے دور رکھیں اور خاموشی کے ساتھ مسکرانے کا ہنر سکھائیں۔ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ ظالموں کو شکست دینا سب سے زیادہ آسان ہے۔

### کتابوں کی دنیا کی سیر کرائیں:

اسے کتابوں کی دنیا کے عجائبات کی سیر ضرور کروائیں تاہم اس کے علاوہ اسے وقت دیں تا کہ وہ آسمانوں پر پرندوں کی حسین وجمیل دنیا کے اسرار و رموز کے بارے میں، پھیلی ہوئی دھوپ میں شہد کی مکھیوں اور سرسبز پہاڑوں پر پھولوں کے حسین مناظر کے متعلق غور وفکر کر سکے۔

### اسے بتائیں ناکام ہونا کوئی بری بات نہیں

اسکول میں اسے سکھائیں کہ نقل کر کے کامیاب ہونے سے ناکام ہونا بہتر ہے۔ اسے شریف کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کرنا سکھائیں۔

### میرے بیٹے میں صلاحیت پیدا کریں:

میرے بیٹے میں آپ اس بات کی صلاحیت پیدا کریں کہ ہجوم کے ڈھنڈورا پیٹنے کی پرواہ نہ کرے، اسے چاہیے کہ ہر شخص کی بات سنے لیکن سنی ہوئی بات کو حقیقت اور سچائی کی کسوٹی پر ضرور پرکھے اور صرف سچائی اور راست بازی کو ہی اپنائے۔

**غم میں مسکرانا سکھائیں:**

اسے سکھائیں کہ غم میں کس طرح مسکرایا جاتا ہے، اسے یہ بھی بتائیں کہ آنسو بہانا شرم کی بات نہیں ہے۔ اسے ترش رو، خشک مزاج، لوگوں کا مذاق اڑانا اور بہت زیادہ میٹھے، چاپلوس، خوشامدی لوگوں سے بچنا سکھائیں اگر ہو سکے تو اسے تعلیم دیں کہ اپنی قوت، دماغ وصلاحیتوں کا بڑھ چڑھ کر معاوضہ لے لیکن اپنے دل اور ضمیر کی ہر گز قیمت نہ لگائے۔

**بہادری اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کرنا سکھائیں:**

اسے سکھائیں کہ شور شرابہ کرنے اور چلانے والے ہجوم کی طرف اپنے کان نہ دھرے اور اگر وہ سمجھتا ہے کہ وہ خود حق پر ہے تو اسے بہادری اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ آپ اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کے ساتھ پیش آئیں لیکن اسے لاڈ پیار سے مت بگاڑیں کیونکہ آگ کی بھٹی سے نکل کر ہی لوہا فولاد بنتا ہے۔

**اسے باہمت بنایئے:**

اس میں بے صبری کا مظاہرہ کرنے کی جرات ہونی چاہیے مگر اسے بہادر بننے کے لیے صبر و استقامت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اسے تعلیم دیں کہ ہمیشہ اپنے آپ پر مکمل اعتماد اور بھروسہ رکھے کیونکہ ایسا کرنے سے اسے انسانیت پر ہمیشہ اعتماد رہے گا۔

بچو! آپ کو ہمیشہ کوشش کرنا چاہیے کہ اپنا خون پسینہ بہا کر یعنی محنت کر کے نہ صرف اپنی زندگی کو کامیاب بنائیں بلکہ حلال رزق بھی کمائیں۔ دوسرے اپنوں اور غیروں سے محبت اور ہمدردی کرنا سیکھیں، حسد اور نفرت سے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں کیونکہ یہ دوسرے کے لیے نہیں بلکہ خود آپ کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ کمپیوٹر، اسمارٹ فون اور ڈیجیٹل کا زمانہ ہے لیکن کتابوں کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے اور رہے گی۔ آپ کو اگر ایک کامیاب انسان بننا ہے تو کتابوں سے دوستی کریں۔ اچھی اچھی سبق آموز کتابوں کا مطالعہ کریں۔ عظیم شخصیات کی سوانح عمری پڑھیں۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ کس طرح عظیم شخصیات نے سخت محنت و مشقت کی تھی تبھی انھوں نے دنیا کی عظیم شخصیات کا درجہ حاصل کیا۔ آپ کبھی بھی ناکامی سے نہ گھبرائیں کیونکہ ناکامی ہی کامیابی کا راستہ بتاتی ہے۔ کبھی کسی کی اندھی تقلید نہ کریں۔ اگر حالات سازگار نہیں ہیں تب بھی گھبرائے نہیں۔ ہمت، حوصلہ، استقامت اور صبر سے کام لیں۔ بچو! آپ کو غم سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ غم میں بھی مسکرانا سیکھیں کیونکہ جب آپ مسکرائیں گے تو آپ کا غم بھی آپ سے دور ہو جائے گا۔ کبھی بھی اپنے ضمیر اور دل کا سودا نہ کریں کیوں کہ ایسا کرنے سے ہی آپ انسانیت کے مفہوم کو سمجھ سکیں گے۔ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ آپ کو اپنی صلاحیتوں اور اپنے اوپر پورا بھروسہ اور اعتماد ہونا چاہیے تبھی آپ کامیاب انسان بن سکیں گے۔

■

**Muhammad Qamar Saleem**
Flat No. 302, Building No. 4 E
Saushilya CHS, Silver Leaf Reality
Mamdapur, Neral Karjat Highway Road
Raigadh-410101 (Maharashtra)
Mob.: 9322645061
qamarsaleemin@yahoo.co.in

یوم اساتذہ

نکہت انجم ناظم الدین

# مثالی طالب علم

**پیارے بچو!** ہر اسکول میں کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں جو اچھے برتاؤ، حسن اخلاق اور پڑھائی سے سب کا دل جیت لیتے ہیں۔ ایسے بچے صرف اچھے نمبرات ہی نہیں لاتے بلکہ اپنی عمدہ عادتوں کی وجہ سے دوسروں کے لیے مثال بن جاتے ہیں، اسی لیے مثالی طالب علم کہلاتے ہیں۔آیئے دیکھتے ہیں کہ ایک مثالی طالب علم میں کیا خوبیاں ہوتی ہیں؟

**1. وقت کی پابندی:** ایک مثالی طالب علم ہمیشہ وقت کی قدر کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وقت ایک قیمتی خزانہ ہے۔ جب باقی بچے سست روی سے اسکول پہنچتے ہیں، وہ تب بھی وقت پر حاضر ہوتا ہے۔اس کی گھڑی کا الارم وقت پر بجتا ہے۔وہ جلدی اُٹھتا ہے۔ ناشتہ کرتا ہے اور بیگ لے کر مسکراتے چہرے کے ساتھ اسکول جاتا ہے۔ ایسا طالب علم کبھی کسی کام کو کل پر نہیں ٹالتا۔ اس کا ہوم ورک وقت پر مکمل ہوتا ہے اور وہ امتحان سے قبل ہی مکمل تیاری کر لیتا ہے۔ اس کی یہ عادت اسے زندگی میں کامیاب بناتی ہے کیونکہ جو وقت کی قدر کرتا ہے وقت بھی اُسی کا ساتھ دیتا ہے۔اگر ایک بچہ یہ سمجھ لے کہ وقت کا صحیح استعمال کس قدر اہم ہے تو وہ وقت ضائع کرنے کے بارے میں کبھی نہیں سوچے گا۔

**2. محنت اور ایمانداری:** ایسا بچہ محنت پر یقین رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کامیابی کی چابی صرف محنت میں ہے۔ وہ سبق یاد کرنے کے لیے گھنٹوں محنت کرتا ہے۔مشکل سوالات کے جواب سوچ سمجھ کر لکھتا ہے۔ وہ نقل کرنے سے سخت نفرت کرتا ہے چاہے امتحان ہو یا کلاس ٹیسٹ۔ جب اسے کوئی بات سمجھ نہ آئے تو وہ چپ نہیں بیٹھتا نہ ہی ہچکچاتا ہے بلکہ اپنے اساتذہ سے سوالات پوچھتا ہے۔ ایسے بچے کبھی پیچھے نہیں رہتے کیونکہ وہ خود پر بھروسہ اور اپنی محنت پر ناز کرتے ہیں۔ وہ ایماندار اور محنتی لوگوں کے قصے اور کہانیاں پڑھتا ہے۔ ان کی زندگی کے تجربات سے سیکھتا ہے۔ان کے ذریعے بتائے گئے کامیابی کے فارمولے کو استعمال کرتا ہے۔

**3. ادب و اخلاق:** ایسے طالب علم کا سب سے خوبصورت وصف اس کے اچھے اخلاق ہوتے ہیں۔ وہ بڑوں سے عزت سے پیش آتا ہے۔ اساتذہ کو سلام کرتا ہے اور اسکول کے دیگر لوگوں کو بھی عزت دیتا ہے۔ وہ چھوٹوں پر شفقت

ومحبت سے پیش آتا ہے۔اس کی زبان میں سختی یا بدتمیزی کے بجائے نرمی ہوتی ہے۔ وہ اپنے برتاؤ سے سب کا دل جیت لیتا ہے اور یہی اخلاق اسے سب میں خاص بناتا ہے۔اگر دو بچوں کے درمیان جھگڑا ہوجائے تو ان کی صلح کرواتا ہے۔ وہ خود کبھی کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کرتا۔ جس قدر ممکن ہو بری باتوں سے دور رہتا ہے۔

4. صفائی اور سلیقہ:ایک مثالی طالب علم صاف ستھرا رہتا ہے۔ اس کا یونیفارم ہر روز دھلا ہوا اور استری شدہ ہوتا ہے۔جوتے چمک رہے ہوتے ہیں۔اس کا اسکول بیگ ترتیب سے رکھا ہوتا ہے۔کتابوں پر جلد چڑھی ہوئی اور کاپیاں صاف لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔اس کی میز پر کوئی گندگی نہیں ہوتی۔ وہ اسکول کے باتھ روم، کلاس روم اور میدان کی صفائی کا خیال رکھتا ہے۔ اگر کوئی بچہ زمین پر کوڑا پھینک دے تو وہ نرمی سے سمجھاتا ہے۔ وہ خود بھی صاف رہتا ہے اور دوسروں کو بھی صفائی کی تلقین کرتا ہے۔

5. دوسروں کی مدد اور دوستانہ سلوک: مثالی طالب علم سب کے ساتھ محبت سے پیش آتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلتا بھی ہے اور پڑھائی میں ان کی مدد بھی کرتا ہے۔ اگر کوئی دوست کسی سوال میں مشکل محسوس کرے تو وہ اسے سمجھانے میں مدد کرتا ہے۔ وہ کبھی کسی کا مذاق نہیں اُڑاتا، نہ ہی دوسروں کو نیچا دکھاتا ہے۔ اگر کوئی نیا بچہ اسکول آئے تو وہ اسے خوش آمدید کہتا ہے۔اس کے ساتھ دوستی کرتا ہے اور اسے اسکول کے ماحول کے بارے میں بتاتا ہے۔ ایسا بچہ دوسروں کی مدد کر کے سکون محسوس کرتا ہے۔ جماعت کا ہر بچہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اسے عزیز رکھتا ہے اور اپنا دوست مانتا ہے۔

6. علم سے محبت اور مطالعے کا شوق: اچھا طالب علم صرف درسی کتابوں تک محدود نہیں رہتا۔ وہ کہانیوں کی کتابیں، سائنسی رسالے، بچوں کے میگزین اور معلوماتی مضامین بھی شوق سے پڑھتا ہے۔ روزمرہ کی معلومات حاصل کرنے کے لیے اخبارات کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں سوالات اُبھرتے ہیں جن کے وہ جواب تلاش کرتا ہے۔ایسے طالب علم کو مطالعہ سے محبت ہوتی ہے۔ وہ کتاب کو اپنا دوست سمجھتا ہے۔ لائبریری اس کی پسندیدہ جگہ ہوتی ہے۔ وہ روز کچھ نہ کچھ نیا سیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

7. سچائی اور دیانت داری: مثالی طالب علم ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ وہ جھوٹ کو برا سمجھتا ہے۔ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً مان لیتا ہے۔ وہ صاف دل ہوتا ہے۔ چالاکی یا دھوکہ اس کی فطرت میں نہیں ہوتا۔ اگر کمرہ جماعت یا اسکول کے اطراف میں کسی کی کوئی چیز گم ہوجائے اور ایسے بچے کو مل جائے تو وہ فوراً واپس کر دیتا ہے۔ کسی اور کی چیز کو اپنی چیز نہیں بتاتا۔

8. مثالی طالب علم اور جدید دور: آج کے ڈیجیٹل دور میں ایک مثالی طالب علم صرف روایتی تعلیم پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ٹیکنالوجی کا مثبت استعمال بھی کرتا ہے۔ وہ انٹرنیٹ، ای لرننگ، آن لائن کورسز اور تعلیمی ایپلیکیشنز سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن سوشل میڈیا کے بیجا استعمال سے بچتا ہے۔ وہ فوائد کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا کے غیر ضروری استعمال سے ہونے والے نقصانات سے بھی واقف ہوتا ہے۔ ان نقصانات سے وہ خود بھی بچتا ہے اور اپنے دوستوں کو بھی محفوظ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

9. قومی تعمیر میں کردار: ایسا بچہ ہی کل کا اچھا شہری،

ایماندار افسر، ہمدرد ڈاکٹر، دیانتدار تاجر اور مخلص استاد بنتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی محنت اور لگن سے قوم کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ اسی لیے وہ اپنی تعلیم کو صرف ذاتی مفاد کے لیے نہیں بلکہ ملک و ملت کی خدمت کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ایسے بچے پر سب بھروسہ کرتے ہیں۔ استاد اُسے مانیٹر بناتے ہیں، والدین اُسے فخر سے دیکھتے ہیں اور دوست اُس کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں۔

10. تخلیقی صلاحیت: مثالی طالب علم کی ایک اہم خصوصیت اس کی تخلیقی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ وہ جس فن میں ماہر ہوتا ہے اسے مشق کے ذریعے مزید بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے، نئی نئی چیزیں سیکھتا ہے، ایسا بچہ زندگی کے کسی بھی میدان میں پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ وہ اپنی محنت اور مستقل مزاجی کے ذریعے تمام مشکلات کو پار کرتا چلا جاتا ہے۔

11. صبر و برداشت اور مثبت سوچ: ایک مثالی طالب علم کبھی بھی جلد بازی یا غصے کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ اگر وہ کسی مشکل میں پڑ جائے یا کوئی کام اس کے مطابق نہ ہو تو وہ صبر کرتا ہے، مشکلات کا سامنا حوصلے سے کرتا ہے۔ وہ دوسروں کی بات کو تحمل سے سنتا ہے اور ہمیشہ مثبت انداز میں سوچتا ہے۔ اگر وہ کسی امتحان میں کسی وجہ سے اچھے نمبرات نہ لا سکا تو مایوس ہونے کے بجائے اپنی غلطیوں سے سیکھتا ہے اور اگلی بار مزید محنت کرتا ہے۔ ایسے طالب علم کو لوگ پرسکون اور باوقار سمجھتے ہیں کیونکہ اس کی سوچ ہمیشہ تعمیری ہوتی ہے۔

12. قومی تہواروں اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ: ایک مثالی طالب علم اسکول کی تمام سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔ یومِ آزادی، یومِ جمہوریہ، یومِ اردو، اساتذہ کا دن یا دیگر قومی مواقع پر وہ جوش و خروش سے شریک ہوتا ہے۔ وہ تقریری مقابلوں، مضمون نویسی، کھیلوں اور ثقافتی پروگراموں میں حصہ لے کر اپنی صلاحیتوں کو نکھارتا ہے۔ وہ اپنے ماحول، اسکول اور ملک کے لیے فخر محسوس کرتا ہے اور ان مواقع پر اپنی محنت سے دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔

13. ماحول کی حفاظت اور فطرت سے محبت: ایک مثالی طالب علم درختوں، جانوروں، پرندوں اور فطرت سے محبت کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ صاف اور سرسبز ماحول ہی صحت مند زندگی کی ضمانت ہے۔ وہ پلاسٹک کا کم سے کم استعمال کرتا ہے، پانی کی بچت کرتا ہے اور دوسروں کو اس کے لیے ترغیب دیتا ہے۔ اسکول میں اگر پودا لگانے کی مہم ہو تو وہ سب سے آگے ہوتا ہے۔ وہ جانوروں پر زیادتی کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اور پرندوں کو دانہ پانی دیتا ہے۔

پیارے بچو! مثالی طالب علم بننا مشکل نہیں صرف کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم وقت کی پابندی کریں، محنت کریں، بڑوں کا ادب کریں، صاف ستھرے رہیں، دوسروں کی مدد کریں، علم سے محبت رکھیں اور ہمیشہ سچ بولیں تو ہم بھی مثالی طالب علم بن سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے آپ تمام مثالی طالب علم کہلانا پسند کریں گے۔ اگر آپ مندرجہ بالا خوبیوں پر کام کر لیں تو ان شاء اللہ بہت جلد مثالی طالب علم کہلائیں گے۔

■

**Nikhat Anjum Nazimuddin**
Z P Urdu Boys School Bodwad
Tal- Bodwad
Dist- Jalgaon - 425310 (Maharashtra)
Mob.: 7709655458
nikhatanjumsayyad@gmail.com

# معلم کے دم سے ہے دنیا یہ روشن

احمد وکیل علیمی

ہے ٹیچر کے دم سے زماں کی ترقی
وطن میں ہے امن و اماں کی ترقی

زمانے سے پوچھو معلم کی قیمت
ہے ادنیٰ و اعلیٰ کی ٹیچر سے نسبت

ہیں معمارِ قوم آج، کل بھی رہیں گے
ہر اک مسئلے کا یہ حل بھی رہیں گے

جہالت کو ڈھانپیں، وہ اشجار ہیں یہ
زمانے میں مانندِ اخبار ہیں یہ

معلم کے دم سے ہے دُنیا یہ روشن
ہیں دیدِ وطن کے لیے ایک درپن

جو لفظِ معلم لغت سے ہٹا دو
بِنا تم معلم کے پڑھ کے دِکھا دو

حکومت کو ٹیچر پہ بے حد یقیں ہے
زمانے کے دل میں بھی ٹیچر مکیں ہے

اسی واسطے اب ہے کوشاں حکومت
کریں استفادہ ملی ہے سہولت

ضروری ہے تعلیم حاصل کریں ہم
زمانے میں ہوگا نہ ہم کو کوئی غم

■

**Ahmad Wakeel Aleemi**
B.L. No: 4, Ho.: 5
Kankinara - 743126
North 24 - Pargs (West Bengal)
wakeelaleemi@gmail.com

ثمینہ بانو محمد افضال



# استاد کی ڈانٹ

**اسکول** سے گھر آتے ہی حامد نے اپنا بستہ زور سے پٹکا اور غصے میں اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا۔ والدین اور دادا دادی، بڑی حیرانی سے اسے دیکھ رہے تھے، دادا جان کہنے لگے روز اسکول سے خوشی خوشی گھر آنے والے حامد کو آج کیا ہوا؟

وجہ جاننے کے لیے سب حامد کے کمرے میں جا پہنچے، حامد منھ پھلا کر اپنے بیڈ پر بیٹھا تھا۔ دادی نے پوچھا کیا ہوا حامد بیٹا؟ تم آج اتنے غصے میں کیوں ہو، نہ ہی تم نے گھر آتے ہی سلام کیا اور نہ ہی ہم سے ملے آخر اس کی کیا وجہ ہے اتنی ناراضی کی؟ ذرا ہمیں بھی بتاؤ۔ ’مجھے نہیں بتانا‘ حامد غصے بھرے لہجے میں بولا۔ دادا جان کہنے لگے اچھا ٹھیک ہے پہلے تم ہاتھ منہ دھو کر آؤ اور یونیفارم تبدیل کر لو پھر کھانا کھا کر بات کرتے ہیں۔

چنانچہ! سب فارغ ہو کر حامد کے کمرے میں جا بیٹھے۔ حامد کی والدہ کہنے لگی چلو اب اطمینان سے بتاؤ آخر کیا وجہ ہے جو تم اتنا غصہ کر رہے ہو، حامد نے وجہ بتاتے ہوئے کہا ”آج اسکول میں ریاضی کے ٹیچر نے مجھے بہت ڈانٹا اور کلاس سے باہر سزا میں کھڑا بھی رکھا“ اس میں تمھاری ہی غلطی ہوگی۔ والد کہنے لگے۔ جی نہیں، ابو میں تو بس اپنے دوست کو سوال سمجھا رہا تھا کہ ٹیچر نے کلاس میں آتے ہی سوالات حل کرنے کو کہا اور میں نے کچھ سوال غلط حل کیے۔ بس اسی پر ٹیچر نے مجھے بہت ڈانٹا اور سزا بھی دی۔

اسی وجہ سے مجھے بہت غصہ آ رہا ہے، اب سے میں ان کی کلاس میں نہیں بیٹھوں گا۔

دادی جان کہنے لگیں پہلے تم غصہ مت کرو اور آرام سے بیٹھو، میں تمھیں استاد کے بارے میں ایک بات بتاتی ہوں۔

''تاریخ میں کچھ ہستیاں ایسی ہیں جن کی تعریف میں کئی جلدیں بھی لکھ دی جائیں تو بھی کم ہیں۔ انھیں عظیم ہستیوں میں سے ایک ہستی استاد ہے۔

سنو میں تمھیں ایک کہانی سناتی ہوں۔

ایک شاگرد اپنے استاد کا بہت ہی فرمانبردار تھا، ساتھ ہی نیک دل، نیک کردار، اور بہت ہی مہذب تھا۔ وہ اپنے استاد سے بہت محبت کرتا تھا لیکن اسے کبھی بھی سبق یاد نہیں ہوتا اور وہ ہر روز سزا میں کھڑا رہتا۔ کبھی کبھی استاد کی مار بھی کھاتا، سزا میں کھڑے ہونے کا جیسے معمول بن گیا تھا۔ ایک دن استاد نے غصے میں آ کر کہہ دیا۔ ''جاؤ باہر حوض کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ'' مدرسے سے کچھ دوری پر حوض ایک چھوٹے میدان میں تھا۔ وہ شاگرد استاد کا حکم سنتے ہی حوض کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اگلے دن جب شاگرد جماعت میں حاضر نہیں ہوا تو استاد نے بچوں سے اس کے بارے میں پوچھا؟ تو سبھی بچوں نے جواب دیا کہ استاد جی وہ کل سے حوض کے پاس بیٹھا ہے۔ یہ سنتے ہی استاد بہت ہی حیران و پریشان ہوئے، فوراً حوض کے پاس گئے دیکھا کہ وہ شاگرد سخت گرمی میں حوض کے قریب بے چین سا بیٹھا ہے۔ استاد نے اسے کلاس میں لے جا کر پانی پلایا پھر پوچھا تم وہاں کیا کر رہے تھے؟ شاگرد نے بڑے ہی ادب سے جواب دیا: استاد جی آپ ہی نے تو کہا تھا کہ ''حوض کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ'' بس اسی بات پر عمل کر رہا تھا۔ یہ سنتے ہی استاد کو یاد آیا کہ میں نے کل دوپہر میں سزا دی تھی جو میں بھول گیا تھا۔ شاگرد سے پوچھا یعنی تم ساری رات اسی طرح بیٹھے رہے۔ شاگرد نے جواب دیا: ہاں۔ یہ سنتے ہی استاد محترم کی آنکھوں میں آنسو کے آثار نظر آنے لگے۔ تڑپ کر شاگرد کو گلے سے لگا لیا اور خوب دعائیں دیں۔ استاد کی دعاؤں کی برکت سے شاگرد ذی شعور اور دانشمند ہو گیا۔ حتیٰ کہ جب استاد کو کسی کام کے لیے باہر جانا ہوتا تو وہ اپنے شاگرد کو اپنے تخت پر بٹھا کر جاتے تاکہ بچوں کا سبق سن سکے۔

یہ سن کر حامد کے دل میں استاد کی اہمیت اور عزت بڑھ گئی۔ دادی نے بتایا کہ یہ سب استاد کی فرمانبرداری اور عزت و احترام کی بدولت ہوا ہے۔

دادا جان کہنے لگے میں بھی ایک کہانی سناتا ہوں۔

سنو! ایک ملک میں عزیر نام کا لڑکا رہتا تھا۔ اسے کشتی میں بہت دلچسپی تھی چنانچہ وہ کشتی سیکھنے کے لیے کشتی سکھانے والے کے پاس گیا، کشتی سیکھنے لگا اس نے بڑے شوق اور دلچسپی سے کشتی سیکھی۔ استاد نے اسے 365 طریقوں میں سے 364 داؤ سکھائے، پر ایک داؤ نہیں بتایا۔ یہ سن کر حامد بول پڑا استاد نے ایک طریقہ کیوں نہیں سکھایا؟ دادا جان نے کہا، اس کا جواب آگے آئے گا تم توجہ سے میری باتیں سنو۔ جب شاگرد کشتی میں ماہر ہو گیا تو وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ بادشاہ سلامت مجھے کسی ماہر پہلوان سے کشتی لڑنی ہے، اس پر بادشاہ نے فرمایا: جس سے تم نے کشتی سیکھی ہے وہی تو سب سے ماہر ہے۔ تم اپنے استاد کے ساتھ کشتی کرو گے۔ وہ شاگرد کہنے لگا اب استاد تو بہت بوڑھے ہو گئے ہیں،

میں تو انھیں ایک ہی داؤ میں پچھاڑ دوں گا۔ بادشاہ نے فرمایا تم پہلے اچھی طرح سوچ لو لیکن وہ شاگرد نہ مانا۔ آخر بادشاہ سلامت نے اجازت دے دی۔ اور کہا جس دن تم چاہو اعلان کروا دیتے ہیں۔ چنانچہ کشتی کا اعلان ہو گیا، کشتی دیکھنے کے لیے دور دور سے لوگ آئے۔ کشتی کے میدان میں استاد اور شاگرد دونوں آمنے سامنے تھے۔ مقابلہ شروع ہوتے ہی استاد نے ایک ہی داؤ میں شاگرد کو پچھاڑ دیا۔ اتنے میں لوگوں کے مجمع میں شور ہونے لگا آپس میں کہنے لگے۔ ہمیں معلوم ہی تھا آج تک کوئی اپنے استاد سے نہیں جیت سکا ہے۔ پھر بادشاہ نے اس شاگرد سے کہا ہم نے پہلے ہی منع کیا تھا پر تم نہ مانے۔ خوامخواہ تمھیں شرمندہ ہونا پڑا خیر اب کیا ہی کر سکتے ہیں۔

شاگرد نے احساسِ ندامت سے اپنے استاد سے پوچھا۔ آپ نے تو یہ طریقہ مجھے سکھایا ہی نہیں۔ استاد نے مسکراتے ہوئے کہا مجھے معلوم تھا اگر میں تمھیں سب طریقے بتا دیتا تو تم ضرور مجھ سے ایک نہ ایک دن مقابلہ کرتے، اس لیے نہیں سکھایا۔ اس بات پر شاگرد بہت شرمندہ ہوا اور استاد سے معافی مانگی، ساتھ ہی بادشاہ سلامت سے بھی معافی مانگی۔

دادا جان حامد سے مخاطب ہو کر کہنے لگے اب سمجھ آیا استاد نے ایک طریقہ کیوں نہیں بتایا تھا۔ جب شاگرد سب کچھ سیکھ جاتے ہیں تو انھیں سے مقابلے پر اتر آتے ہیں۔ یہ بہت ہی شرمندگی کی بات ہے۔ حامد بڑے ہی دھیان سے سن رہا تھا اسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا اور کہا کل میں اپنے استاد سے معافی مانگوں گا اور کبھی استاد کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

دادا جان خوشی سے حامد کو شاباشی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میری نصیحت آموز باتیں دھیان سے سنو، تم چاہے کتنے بھی اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاؤ مگر کبھی بھی استاد سے مقابلہ نہ کرنا اگر ایسا کرنا بھی پڑے تو ہار جانا اور ہمیشہ استاد کا ادب کرنا، ان کی فرمانبرداری کرنا، کبھی بھی نافرمانی نہیں کرنا کیونکہ جو کچھ استاد اپنے شاگرد کو سکھاتے ہیں وہ والدین بھی نہیں کر پاتے۔''

بقول حالی:

''ماں باپ اور استاد سب ہیں خدا کی رحمت
ہے روک ٹوک ان کی حق میں تمھارے نعمت''

استاد ہی ہے جو ہمیشہ اپنے شاگرد کو اعلیٰ مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے شاگرد ہمیشہ کامیابی حاصل کرتے رہیں۔

اور آج تم استاد کی ذرا سی ڈانٹ پر اتنا غصہ ہو گئے کہ کلاس میں بیٹھنے سے ہی منع کر رہے ہو۔ دادا، دادی، والدین کی باتیں سن کر حامد بے حد شرمندہ ہوا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دادی جان حامد کے آنسو پوچھتے ہوئے۔ بولیں ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا ہے تم استاد سے معافی مانگنا، وہ ضرور معاف کریں گے۔ مجھے یقین ہے تم بہترین مقام حاصل کرو گے۔

اگلے روز ٹھیک ویسا ہی ہوا۔ حامد نے استاد سے معذرت چاہی اور استاد نے خوشی سے حامد کو گلے لگا لیا۔

■

**Sameena Bano Mohd Afzal**
Saifi Book Depo ke Samne, Khanqah Ward
Burhanpur - (MP)
Mob.: 7869249296
naginabano786313@gmail.com

# ہمفری ڈیوی کی کہانی

**جس زمانے** میں پروفیسر گیل وِنی نے بجلی دریافت کی ، ہمفری ڈیوی بچہ تھا۔ بچپن میں اسے پڑھنے کا شوق بس واجبی سا تھا۔ آئے دن استادوں کی دھمکی، ڈانٹ ڈپٹ اور کبھی تو سزا کی نوبت بھی آجاتی تھی۔ اس وجہ سے اس کا دل بھی کتابوں سے اچٹ گیا۔ صاحبزادے کا محبوب شوق تھا اشعار یاد کرنا اور مچھلی کا شکار۔ زیادہ وقت انہی مشغلوں میں صرف ہوتا تھا۔ استاد مایوس ہو گئے اور سمجھنے لگے کہ اب یہ کھلنڈرے صاحبزادے تعلیم سے محروم رہیں گے۔ ہمفری انگلستان کے جس گاؤں میں پیدا ہوا تھا، اس کا نام ہے 'پنزانسے' گاؤں بہت چھوٹا اور معمولی سا تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے راستے بھی اتنے خراب تھے کہ کچھ نہ پوچھیے۔ آج کل ممبئی سے امریکہ پہنچ جانا زیادہ آسان ہے مگر ان دنوں لندن سے پنزانسے پہنچنا زیادہ مشکل تھا۔ گاڑی تو جا ہی نہیں سکتی تھی، لوگ عام طور پر گھوڑوں پر جایا کرتے تھے۔ سڑک پر کسی گاڑی کا دکھائی دینا اتنا ہی حیرت انگیز تھا جتنا نیو یارک کی سڑک پر اونٹ کا چلنا۔ پسماندگی کا جب یہ عالم ہو تو اس گاؤں کے لوگوں کو باہر کی دنیا کا حال کیا معلوم ہوتا ہوگا؟ اور اس گاؤں کی خبریں باہر والے کیا جانتے ہوں گے؟ گاؤں والوں کے دل پسند مشغلے تھے مرغ بازی، شکار، باکسنگ وغیرہ اس سے آگے بڑھے تو شراب کی بدمستی۔ ایسے ماحول میں کسی نوجوان کے سائنس پڑھنے یا سائنس میں دلچسپی لینے کا سوال ہی کیا تھا۔

سولہ برس کی عمر تک ہمفری ٹھیٹھ دیہاتی کی زندگی

بسر کرتا رہا مگر باپ کی اچانک موت نے اس میں بڑی تبدیلی پیدا کر دی۔ ذمہ داری کا غیر معمولی احساس پیدا ہوگیا۔ اس کا باپ لکڑی پر نقش کاری کا کام کرتا تھا۔ ہمفری سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اس لیے باپ کے مرنے کے بعد گھر کی ذمہ داری اس کے سر آ پڑی، مگر شعر یاد کرنے اور مچھلیاں پکڑنے والا یہ نوجوان کرتا تو کیا؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ آخر ایک مقامی ڈاکٹر بورلاس کے یہاں دوا سازی کا کام سیکھنے لگا۔ یہ صاحب اس زمانے کے عام ڈاکٹروں کی طرح بالکل خانہ ساز ڈاکٹر تھے۔ انھوں نے طب باقاعدہ کہیں نہیں پڑھی تھی۔ بس کچھ دنوں تک ایک پرانے ڈاکٹر کے ساتھ رہ کر اور اس کے علاج کے طریقے کو دیکھ کر کچھ علم حاصل کر لیا تھا۔ ہمفری کا بھی خیال تھا کہ بورلاس کے ساتھ رہ کر اسی طرح وہ بھی ڈاکٹری سیکھ جائے گا۔ اس زمانے میں علم اور ہنر سیکھنے کا یہی عام طریقہ تھا۔ ڈاکٹر بورلاس کا اپنا دواخانہ بھی تھا جس میں ہر قسم کی دوائیں وہ خود تیار کرتا تھا۔ ہمفری نے جب کام شروع کیا تو پہلے اسے سفوف بنانا، نمک حل کرنا، مسالے تیار کرنا، تیل اور تیزاب وغیرہ کشید کرنا سیکھنا پڑا اور یہیں سے کیمیا سے اس کی دلچسپی شروع ہوئی۔

ہمفری ڈیوی کی زندگی کی کہانی بڑی حد تک کارل شیل Scheele کی زندگی کی کہانی سے ملتی جلتی ہے۔ سفوف اور گولیاں بناتے بناتے وہ کیمیا کے نہایت پیچیدہ تجربے کرنے لگا مگر اس کے ساتھ ان حضرات کا ذوق شعر گوئی اور مچھلیوں کے شکار کا شوق بھی برقرار رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ ان مشغلوں سے دلچسپی کم ہوتی گئی اور کیمیا دانی کا شوق بڑھتا گیا۔ اس کی وجہ سے بے چارے ڈاکٹر بورلاس اور اس کے گھر والوں کی جان عجیب مصیبت میں تھی گھر والوں یا دوستوں کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں کہ ایک زوردھما کا ہوا۔ معلوم ہوا کہ ہمفری صاحب کوئی تجربہ فرما رہے ہیں، سب لوگ پڑے سو رہے ہیں کہ ایک بم پھٹنے کی سی آواز آئی، لوگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے، بچے چیخنے لگے، پتہ چلا کہ یہ بھی جناب ہمفری کی کارستانی ہے جو کیمیا کا کوئی سربستہ راز معلوم کر رہے ہیں۔ ایک طرف تو یہ تجربے جاری تھے، دوسری طرف ہمفری کو بڑی شدت کے ساتھ اس کا احساس ہونے لگا کہ اس کا علم ناقص ہے۔ اس نے یہ کمی پوری کرنے کی ٹھان لی اور اپنی تعلیم کا ایک مکمل منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبے میں جن علوم وفنون کا سیکھنا شامل کیا گیا وہ یہ تھے سات اہم زبانیں سیکھنا اور سائنس کے تقریباً بیس شعبوں کا مطالعہ کرنا جن میں فلسفے سے لے کر علم الابدان، سبھی کچھ شامل تھا۔ یاد رہے جب یہ منصوبہ تیار ہو رہا تھا اس وقت ہمفری کی عمر صرف سولہ برس تھی۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمفری نے اتنا بڑا پہاڑ جیسا کام اپنے سامنے رکھ کر اپنی خودکشی کا سامان مہیا کر لیا ہے مگر حیرت انگیز بات تھی کہ سائنس اور فلسفے کی بڑی موٹی موٹی اور مشکل کتابیں ہمفری اس تیزی سے پڑھ ڈالتا جیسے وہ ناول یا کہانی پڑھ رہا ہو۔ دیکھنے والے سمجھتے جیسے وہ صرف ورق گردانی کر رہا ہے۔ اتنا کچھ پڑھ لینے اور علم حاصل کر لینے کے بعد اس کی قدر و منزلت اس کے گاؤں نیز انسے اور اس کے آس پاس کے دیہات میں کیوں نہ پھیل جاتی! رفتہ رفتہ اس کی شہرت دور دور تک پہنچنے لگی۔

1798 میں جب ہمفری کی عمر صرف تیس برس تھی

اسے برسٹل شہر کے ایک طبی ادارے کی طرف سے دعوت ملی۔ یہاں ایک پروفیسر بیڈ ڈوس Beddoes تھے جو بیماروں پر مختلف گیسوں کا تجربہ کر رہے تھے۔ ان میں نائٹروجن آکسیجن اور کچھ دوسری نئی نئی دریافت شدہ گیسیں بھی استعمال ہو رہی تھیں۔ یہاں پہنچ کر ہمفری ڈیوی کو بڑے دلچسپ تجربے کرنے کے موقعے ملے اور یہیں اس نے وہ گیس دریافت کی جس کا اعصاب پر نشے کی طرح اثر ہوتا ہے۔ اس دریافت نے ہمفری کو سارے انگلستان میں مشہور کر دیا اور اس گیس کا نام ہنسانے والی گیس (Laughing Gas) رکھا گیا۔

ایک دن اسے لندن سے ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ وہاں کی سب سے مشہور اور معتبر سائنسی جماعت 'رائل سائنٹفک انسٹی ٹیوشن' نے اسے اپنے یہاں کام کرنے کی دعوت دی ہے۔ ہمفری ڈیوی کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا کیونکہ اس کو اس سے بہتر اور کیا موقع مل سکتا تھا اور اس سے بڑھ کر اور کیا عزت ہو سکتی تھی۔ اس نے بڑی خوشی سے یہ دعوت قبول کر لی۔ رائل انسٹی ٹیوشن میں اس کو کیمیا کے پروفیسر کا اسسٹنٹ، لیبارٹیری کا ڈائرکٹر اور انسٹی ٹیوٹ کے رسالے کا اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ تنخواہ ایک سو اشرفی سالانہ طے پائی، اس کے علاوہ مکان، ایندھن اور روشنی کے لیے موم بتیاں مفت ملتی تھیں۔ ڈیوی کو اس سے زیادہ اور کیا چاہیے تھا۔

■

**ماخذ:** کیمیا کی کہانی، **مصنف:** سید شہاب الدین دسنوی
**پانچویں طباعت:** 2022
**ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مضمون

عادل حیات

# پتنگ: خوشیوں کا رنگین کھلونا

**پیارے بچو!** یہ اگست کا مہینہ ہے۔ اس مہینے کی شروعات سے ہی رنگ برنگی پتنگیں آسمان پر لہرانے لگتی ہیں۔ پندرہ اگست یعنی یومِ آزادی بہت ہی دلفریب اور خوشنما ہوتا ہے۔پتنگیں ہوا سے باتیں کرتے ہوئے اچانک غوطے لگاتی ہیں اور پیچ لڑ جاتا ہے۔اسی وقت 'وہ کاٹا' شور بلند ہوتا ہے اور چاروں طرف قہقہے گونجنے لگتے ہیں اور تالیاں بجنے لگتی ہیں۔

بچو! آپ نے پتنگ تو اڑائی ہوگی، اگر نہیں اڑائی ہے تو دیکھی تو ضرور ہوگی۔ اس کی شکل چوکور اور چپٹی ہوتی ہے۔ یہ رنگ برنگی اور ہلکی پھلکی ہوتی ہے، جو دھاگے کے سہارے آسمان کی بلندیوں میں دور تک اڑتی جاتی ہے۔ پتنگ بازی تفریحی مشغلہ کے ساتھ ثقافتی اور روایتی اہمیت بھی رکھتی ہے۔ بچوں کے علاوہ بڑے بزرگ اور عورتوں کو بھی پتنگ اڑانے کا شوق ہوتا ہے۔ جیسے ہی رنگ برنگی پتنگیں آسمان کی بلندیوں سے باتیں کرتی ہیں، لوگوں کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ پتنگ بازی کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ ماہرین کے مطابق پتنگ سب سے پہلے چین میں ایجاد کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ چین کے ایک مشہور فلسفی 'موزی' نے سب سے پہلے پتنگ کی شکل وصورت بنائی اور اسے اڑا کر دنیا کو چونکا دیا۔ رفتہ رفتہ یہ شوق دوسرے ممالک جیسے کہ جاپان، مصر، ایران اور ہندو پاک کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پھیل گیا۔ ہندوستان میں پتنگیں یومِ آزادی کی مناسبت سے اگست کے پورے مہینے آسمان پر اڑتی اور بل کھاتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے ملک میں پتنگ بازی کو بسنت پنچمی جیسے تہوار کا حصہ بھی مانا جاتا ہے۔

آپ میں سے کچھ بچوں کے لیے پتنگ خواب جیسی چیز ہوگی۔ جب کوئی بچہ پہلی بار رنگ برنگی پتنگوں کو آسمان پر اڑتے دیکھتا ہے تو اس کے دل میں پتنگوں کو چھونے کی

خواہش ہوتی ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بچے پتنگ اڑانے، اس کے پیچھے دوڑنے اور 'وہ کاٹا' کی آواز نکالتے ہوئے بہت خوش ہوتے ہیں۔ یہ عمل نہ صرف ان کی جسمانی سرگرمیوں میں اضافہ کرتا ہے، بلکہ ذہنی نشو ونما میں بھی مدد دیتا ہے۔

بچو! آپ کو بتا تا چلوں کہ پتنگ بنانے کے لیے عام طور پر بانس کی باریک تیلیاں، باریک کاغذ اور گوند کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک اچھی پتنگ کی تیاری میں صفائی، توازن اور ہلکے پن کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ ان دنوں پلاسٹک کی پتنگیں بھی مارکیٹ میں آ گئی ہیں، لیکن کاغذ سے بنی روایتی پتنگوں کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اس کے نچلے حصے میں تین کونوں والا دُم گچھا چپکا ہوتا ہے، جو پتنگ کے رنگ سے الگ کسی اور رنگ کا ہوتا ہے۔ پتنگیں مختلف سائز، رنگ اور ڈیزائن میں تیار کی جاتی ہیں۔ کچھ پتنگیں بالکل سیدھی اور سادہ ہوتی ہیں، جبکہ کچھ پتنگوں پر نقش ونگار بنائے جاتے ہیں۔ کئی پتنگیں جانوروں، پرندوں، پھولوں، کارٹون کے کرداروں اور مختلف شکلوں میں بھی ہوتی ہیں، جو بچوں کو خاص طور پر بھاتی ہیں۔ پتنگ کے رنگوں میں خوشی کی پھلجھڑیاں چھپی ہوتی ہیں۔ پھیلے ہوئے آسمان میں جب نیلی، پیلی، ہری، گلابی، نارنگی، جامنی، سبز، لال اور دیگر رنگوں کی پتنگیں اڑتی ہیں تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

بچو! پتنگ اڑانے کے لیے ایک خاص قسم کا دھاگا استعمال کیا جاتا ہے، جسے مانجھا کہا جاتا ہے۔ اس کے اوپر باریک پسے ہوئے شیشے اور گوند کا لیپ لگایا جاتا ہے، تا کہ اس دھاگے سے دوسری پتنگ سے پیچ لڑا کر کاٹی جا سکے۔ میں نے بھی بچپن میں شیشے اور چاول کے ماڑھ سے مانجھا بنایا ہے، لیکن اس کام میں بہت زیادہ خطرہ ہے۔ شیشہ کو باریک پیستے ہوئے آپ کا ہاتھ بھی کٹ سکتا ہے۔ ان دنوں بازار میں ریڈی میڈ مانجھا بھی آ گیا ہے۔ اس سے ہاتھ اور گردن کٹنے کے کئی واقعے منظرِ عام پر آئے ہیں، اس لیے مانجھے کے استعمال میں احتیاط بھی ضروری ہے۔

پیارے بچو! پتنگ بازی صرف تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کے کئی فائدے بھی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ پتنگ اڑانے کے لیے ذہن کی تیزی اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے بچوں کی یکسوئی میں اضافہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ عمل بچوں کے نشو ونما میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ جب بچے خود سے پتنگ بناتے ہیں تو ان کی تخلیقی صلاحیت پروان چڑھتی ہے۔ پتنگ بازی دوستوں کے ساتھ کی جاتی ہے، جس سے باہمی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔

اگر چہ پتنگ بازی ایک دلچسپ مشغلہ ہے، مگر بچو! اس کے کچھ خطرات بھی ہیں، جن کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر شیشہ لگا ہوا مانجھا انسانوں اور چرند و پرند کے لیے مضر ہے، وہ انھیں زخمی بھی کر سکتا ہے۔ پتنگ بازی کے دوران اگر پتنگ یا دھاگا بجلی کے تاروں سے ٹکرا جائے تو حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ اسی طرح بچے بعض اوقات پتنگوں کے پیچھے دوڑتے ہوئے سڑک پر آ جاتے ہیں، جس سے اچانک ہی حادثہ ہو سکتا ہے۔ پلاسٹک کی پتنگیں اور دھاگے بھی نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ان کا استعمال خطرناک تو ہے ہی ماحول کے لیے بھی نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

بچے کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کریں اور پتنگ بازی کے دوران درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں تو خطرات سے بچا جا سکتا ہے:

1. ہمیشہ کھلی جگہ پر پتنگ اڑائیں۔

2. بجلی کے تاروں سے دور رہیں۔
3. شیشے والا دھاگا استعمال نہ کریں۔
4. ممکن ہو تو دستانے پہن کر پتنگ اڑائیں تاکہ ہاتھ محفوظ رہے۔
5. سڑک پر پتنگ کے پیچھے نہ دوڑیں۔

پتنگ بازی دراصل ہوا، قوتِ کشش اور توازن جیسے سائنسی اصولوں پر مبنی ہوتی ہے۔ جب پتنگ کو دھاگے کے ذریعے ہوا میں اڑایا جاتا ہے تو ہوا اسے اوپر کی جانب لے جاتی ہے۔ چنانچہ پتنگ کا توازن جتنا بہتر ہوگا، وہ اتنی ہی بلندی اور دور تک اڑے گی۔

ہندوستان میں کئی تہوار ایسے ہیں، جن میں پتنگ بازی کی جاتی ہے۔ ان میں سب سے مشہور تہوار 'مکر سکرانتی' کا ہے، جو ہر سال 14 جنوری کو منایا جاتا ہے۔ اس دن لوگ صبح سے شام تک چھتوں پر پتنگیں اڑاتے ہیں، خوشیاں بانٹتے ہیں اور خوب مزے کرتے ہیں۔ یہ تہوار راجستھان، گجرات، مہاراشٹرا اور اتر پردیش میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اسی طرح 'بسنت پنچمی' کے دن بھی پتنگ بازی لوگوں کی دلچسپی کا اہم ذریعہ ہوتی ہے۔ 'مکھی (مانکھا)' پتنگ بازی کی ایک پرانی روایت ہے، جو خاص طور پر گجرات، راجستھان اور ممبئی میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ کئی مقامات پر پتنگ بازی کے باقاعدہ مقابلے بھی منعقد کیے جاتے ہیں۔ ان میں مختلف عمر کے لوگ حصہ لیتے ہیں اور پتنگ کاٹنے، بلندی پر اڑانے اور دیر تک پتنگوں کو ہوا میں ٹھہرائے رکھنے کے مقابلے ہوتے ہیں۔ ان مقابلوں سے نہ صرف دلچسپی بڑھتی ہے، بلکہ کھلاڑیوں کی مہارت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ گجرات کے شہر احمد آباد میں ہر سال جنوری میں 'انٹرنیشنل کائٹ فیسٹیول' منایا جاتا ہے، جس میں دنیا بھر کے لوگ پتنگیں اڑاتے ہیں اس میلے میں طرح طرح کی دیوہیکل، جانوروں اور تاریخی عمارتوں کی شکل والی پتنگیں آسمان کو خوبصورت بناتی ہیں۔

ہندوستان میں یومِ آزادی کے موقعے پر 15 اگست اور اگست کے پورے مہینے میں پتنگ اڑانے کی روایت تاریخی اور ثقافتی وجوہات کی بنا پر مقبول ہے۔ پتنگ اڑانا آزادی اور خوشی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ 15 اگست 1947 کو ہندوستان کو برطانوی راج سے آزادی ملی، چنانچہ لوگوں نے اپنی خوشی کا اظہار کرنے کے لیے آسمان پر پتنگیں اڑائیں۔ پتنگ کی ڈور کو کاٹنا غلامی کی زنجیروں سے آزادی کی علامت بھی مانا جاتا ہے۔ آجکل یومِ آزادی کے موقعے پر پتنگ اڑانا ایک قومی تہوار بن گیا ہے، جس میں بچے، جوان اور بوڑھے سبھی شامل ہوتے ہیں۔ اس موقعے پر پتنگ اڑانا صرف ایک کھیل نہیں، بلکہ آزادی، جوش اور قومی فخر کا اظہار ہے۔ یہ ایک ایسی ثقافتی سرگرمی ہے، جو ماضی کی جدوجہد کی روشنی میں موجودہ نسل کو متحد کرتی ہے۔

اردو ادب میں بھی پتنگ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کئی شاعروں اور ادیبوں نے پتنگ کو کئی بار خوابوں، امیدوں اور جذبوں کی علامت کے طور پر ادب میں پیش کیا ہے۔ کئی گیت کاروں نے پتنگ کو موضوع بنا کر فلموں کے لیے گیت لکھے ہیں۔ ایک فلم 'بھائی' کا یہ گیت بہت مشہور ہے، اس گیت کو راجندر کرشن نے لکھا تھا۔

چلی چلی رے پتنگ مری چلی رے
چلی بادلوں کے پار ہو کے ڈور پہ سوار

ساری دنیا یہ دیکھ دیکھ چلی رے
چلی چلی رے ........................

کئی شعرانے پتنگ کوموضوع بنا کر بچوں کے لیے خوبصورت نظمیں لکھی ہیں۔ یہ نظمیں دلچسپ بھی ہیں اور بچوں کی ذہنی نشو ونما میں معاون بھی ہیں۔مثال کے طور پر امان الحق بالا پوری کی نظم کے چند اشعار سے لطف اٹھائیں۔

نیلی پیلی پتنگ ہماری
رنگوں کی ہے اک پچکاری
کتنے پیارے رنگ سجائے
کیا تونے پھولوں سے چرائے
ڈور ہے تیری دھرتی اوپر
تو پہنچی آکاش پہ اڑ کر

پیارے بچو! آپ جانتے ہیں کہ پتنگ ایک خوبصورت، دلچسپ اور دل کو بہلانے کا مشغلہ ہے۔ یہ صرف ایک کھلونا یا تفریح کا سامان نہیں، بلکہ رنگ، خوشی، دوستی اور تہذیب و ثقافت کی علامت ہے۔ یہ ہمیں اپنے ماضی، اپنی روایت اور تہواروں سے جوڑتی ہے۔ہم پتنگ اڑاتے ہوئے نہ صرف خوش ہوتے ہیں بلکہ ایک تہذیبی عمل کا حصہ بھی بنتے ہیں۔ہمیں چاہیے کہ پتنگ بازی کو محفوظ طریقے سے اپنائیں، اس کے خطرات سے آگاہ رہیں۔ دوسروں کی زندگی اور ماحول کو نقصان نہ پہنچائیں، اگر احتیاط کے ساتھ پتنگ اڑائیں گے تو ہماری زندگی رنگ برنگی ہوسکتی ہے۔

■

**Dr. Adil Hayat(S M Abu Baker)**
S-11/11, 2nd Floor
Niear: Riyan Public School
Jogabai Extention, Jamia Nagar
New Delhi-110025, Mob..: 9313055400
Email: adilhayat10@gmial.com

## Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

### سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا رچاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر........................................ بتاریخ.........................................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ........................................................................

پتہ : ........................................................................
........................................................................
........................................................................

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066
Email.: magazines@ncpul.in , فیکس: 011-26108159 فون: 011-26109746

دستخط

نظم

# تندرستی ہزار نعمت ہے

کس قدر ٹھیک یہ کہاوت ہے
تندرستی ہزار نعمت ہے
زندگی کا مزا اسی میں ہے
آدمی کا بھلا اسی میں ہے
تندرستی نہ ہو تو آفت آئے
ہر خوشی جائے، جان پر بن جائے
ہضم کھانا ہو اور نہ ہو پانی
گھیر لے فکر اور پریشانی
یہ بھی جینے میں کوئی جینا ہے
رات دن بس دوائیں پینا ہے
نہ کھٹائی نصیب ہے نہ مٹھاس
چٹپٹی چیز بھی نہ آئے پاس
چلنا پھرنا بھی جب کہ دوبھر ہو
چین کیونکر بھلا میسر ہو
چاہتی ہو جو، تندرست رہو
چاق چوبند اور چست رہو

چاہیے تم کو جلد ہو بیدار
صبح اٹھنے کو بس رہو تیار
سو کے اٹھتے ہی سیر کو جاؤ
میل دو میل ٹہل کر آؤ
یا کوئی ورزش اختیار کرو
روز ورزش یہ بار بار کرو
وقت بے وقت منھ نہ جھٹلاؤ
وقت پر کھاؤ بھوک میں کھاؤ
یہی منی کی ہے خدا سے دعا
تندرستی کی زندگی ہو عطا

■

**ماخذ:** منی کے گیت، **شاعر:** محمد شفیع الدین نیر
**پہلی اشاعت:** 2019
**ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ظفر کمالی

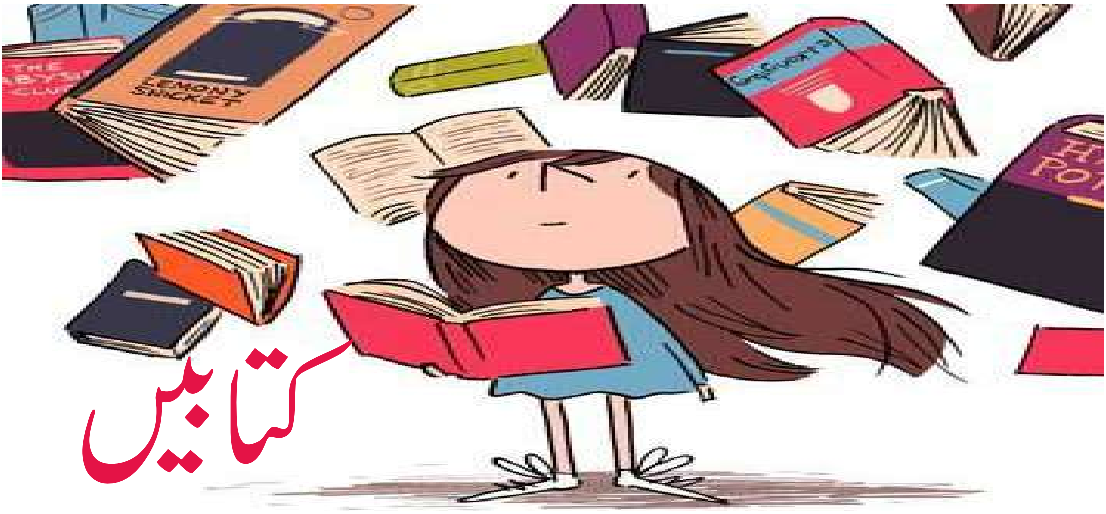

# کتابیں

سمجھتا ہے اسے سارا زمانہ
کتابیں علم و حکمت کا خزانہ
دلوں کا نور ہیں اچھی کتابیں
چراغِ طور ہیں اچھی کتابیں
ہماری مونس و غمخوار ہیں یہ
جہادِ علم کی للکار ہیں یہ
کتابیں کیا ہیں روحانی غذا ہیں
سکوں دل کا دواؤں کی دوا ہیں
ہماری کیوں نہ ہو منزل کتابیں
رسولوں پر ہوئیں نازل کتابیں
کتابوں سے ہے جس کی آشنائی
بڑی دولت جہاں میں اس نے پائی
کتابیں کامیابی کا ہیں زینہ
رکھیں آباد یہ دل کا مدینہ
کتابوں کی رفاقت بھی عجب ہے
تعلق توڑنا ان سے غضب ہے

صداقت کا یہی رستہ دکھائیں
بروں کو بھی یہی اچھا بنائیں
سکھاتی ہیں یہ جینے کا طریقہ
بتاتی ہیں ہمیں کیا ہے سلیقہ
کسی نے منہ کتابوں سے جو پھیرا
یقیناً اس کو ذلت نے ہے گھیرا
کتابوں سے اگر خالی مکاں ہے
وہ ہے بھوتوں کا مسکن گھر کہاں ہے
کتابوں سے حلاوت گفتگو میں
شرافت کا اثر باقی لہو میں
کتابوں سے جہاں میں نام زندہ
ہماری صبح زندہ شام زندہ
کتابوں سے سدا رشتہ بڑھاؤ
اسی میں زندگی اپنی لگاؤ

■

**ماخذ**: بچوں کا باغ، **شاعر**: ظفر کمالی، **چوتھی طباعت**: 2023، **ناشر**: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

نظم

# مزیدار جامن

عبدالرزاق دل کھولاپوری

لگا پھل کی منڈی میں ببلو مرا من
مرے ساتھ منڈی میں چل چھوڑ ہر فن
کہ جامن میں صحت کا پوشیدہ ہے دھن
خریدیں گے جامن خریدیں گے جامن
مزے دار جامن
مزے دار جامن

کریں نوش ہم تم زیادہ جو جامن
کہ دردِ شکم ہوگا اور ہوگی الجھن
کہیں ہاضمے کی نہ الجھن بنیں یہ
شکم میں اپھارا نہ پیدا کریں یہ
مزے دار جامن
مزے دار جامن

حیاتین 'الف'، 'ج' ہیں ان میں شامل
صحت کے لیے فائدے ان میں کامل
مسوڑوں سے رستا ہوا خوں یہ روکے
اسے کھائیے صاف پانی سے دھو کے
مزے دار جامن
مزے دار جامن

پڑھا اور سنا ہے کہ جامن کا گودا
لہو میں شکر کی سطح کم کرے گا
یہ روکے سدا کیل اور چھائیوں کو
سناؤ اے دل بہنوں اور بھائیوں کو
مزیدار جامن
مزیدار جامن

■

**Abdur Razzaque Dil Kholapuri**
At Post: Kholapur
Taq: Bhatkuli
Distt.: Amravati - 444802 (Maharashtra)

# تم تو اچھے بچے ہو

امان الحق بالاپوری

تم تو اچھے بچے ہو
پھر کیوں ایسا کرتے ہو

دیر گئے شب سوتے ہو
دیر سویرے اٹھتے ہو
دیر سے مکتب میں جانا
لوٹ کے جلدی گھر آنا
پڑھنے لکھنے میں سستی
بس کھیلوں میں دلچسپی

تم تو اچھے بچے ہو
پھر کیوں ایسا کرتے ہو

بے جا ضد پر اڑ جانا
بات بات پر لڑ جانا
کرتے ہو چھینا جھپٹی
سب سے زور زبردستی
کیسی عادت اپنالی
ہر دم لب پر ہے گالی

تم تو اچھے بچے ہو
پھر کیوں ایسا کرتے ہو

کرتے ہو نافرمانی
یہ کیسی ہے نادانی
حرکت دیکھو شیطانی
خفا ہیں تم سے استانی
غصہ تم پر ہیں نانی
چھوڑو بھی یہ من مانی

تم تو اچھے بچے ہو
پھر کیوں ایسا کرتے ہو

اچھائی میں ہے عظمت
جانو اس کی کچھ قیمت
اچھے اچھے کام کرو
دنیا بھر میں نام کرو
تم سے پیار کریں گے سب
راضی ہوگا تم سے رب

تم تو اچھے بچے ہو
پھر کیوں ایسا کرتے ہو

■

**Amanul Haque**
Jawli Base, At.Post: BALAPUR
Dist. Akola - 444302 (Maharashtra)
Mob.9822695795
amanbinrazzaq@gmail.com

انیس الرحمن انیس

# میں ہوں کمپیوٹر

دوستوں میں ہوں ایک کمپیوٹر
چھوٹے بچے، بڑوں کا ہوں ٹیچر
چاہے جتنے ڈجیٹ بھی ڈالو تم
یاد سارے جواب ہیں فر فر
نام چاہے کوئی بھی لکھو تم
رنگ بھر دوں میں اس میں اور ٹیکسچر
میموری میرا وہ خزانہ ہے
نام رکھتا ہوں سارے ہی ازبر
بھول جاؤ اگر جو فائل تو
ڈھونڈ لاتا ہوں نام ڈالو اگر
جہاں چاہو گے جو بھی لکھ ڈالو
جس جگہ لے کے جاؤ گے کر سر
حمد اور گیت نظمیں فلمیں سب
وہ سناتا ہوں سننا چاہو اگر
حکم سارے بجا ہی لاتا ہوں
تم سلیقے سے مجھ کو رکھو مگر
تم جو ڈالو گے نیٹ پہ سن اور مون
پل میں دکھلاؤں گا میں شمس و قمر
مانا مٹھی میں قید رہتا ہوں
حکمرانی ہے میری جاؤ جدھر

چند سیکنڈ میں ہی کام کرتا ہوں
کوئی کہتا ہے مجھ کو بازی گر
ٹیبلیٹ موبائل یا کمپیوٹر
شکل میری ہے سب میں جلوہ گر
دنیا کے کاروبار ہے مجھ سے
سب کے ذہنوں پہ چھایا میرا اثر
پل میں میسیج سب کو پہنچاؤں
مانا میرے نہیں ہے بال و پر
نیٹ دنیا میں جب سے پھیلا ہے
راہ متعین نہیں نا راہ گزر
مجھ سے جب کام ہو نہیں پاتا
کہتے ہیں ڈاؤن ہو گیا سرور
دستیاب ہر جگہ میں ہوتا ہوں
آفس ہو ائیر پورٹ یا گھر پر
دور ہو رشتہ دار نہ مجھ سے
بات کرلو اگر ہو وہ نیٹ پر
مجھ سے ٹوٹے نہ رشتہ داری ہی
بیوی شوہر یا سن ہو یا مادر
بچھڑے لوگوں کو میں ملاتا ہوں
کوئی دلبر ہو کوئی جان جگر

کام اپنی ہی دھن میں کرتا ہوں
وائرس کی ہے بس ذرا سی فکر
گیم وہ کھیلنے کو بیٹھ گیا
جس کو آجاؤں ایک بار نظر
اک صفحہ کے ہزار کرتا ہوں
حکم دے مجھ کو کوئی کاپی کر
آنکھ کا معائنہ بھی کرتا ہوں
ہر مریضوں کا میں ہوں چارہ گر
جب ڈیلیٹ کا بٹن دباتے ہو
پھر تو ہو جاتا ہوں میں خود ہی صفر
گر غلط ہاتھ میں جو پڑ جاؤں
کر کے رکھ دیتا ہوں میں زیر و زبر
سوچ کر عقل سب کی حیراں ہے
کیا کوئی مجھ میں رہتا جادو گر
ہر شکل میں ہوں دستیاب انیس
نہ ہے کھونے کا میرے خوف و خطر

■

**Dr. Aneesur Rahman**
H. No.: 9/6/377, Umer Colony
Behinde Populer Hospital
Degloor Naka
Nandeed- 431604 (MS)
M:9960299337, anis.4421@gmail.com

اشتیاق احمد راشد

# کتنی میٹھی زبان ہے اردو

آزادی کی زبان ہے اردو
ہندو، مسلم کی جان ہے اردو
جس کے دامن میں سب سما جائیں
ہاں! کتنی مہربان ہے اردو
سورج، تارے چمک رہے جس میں
یارو! وہ آسمان ہے اردو
گرویدہ میر بھی ہیں غالب بھی
بزم ہستی کی شان ہے اردو
مومن، اقبال، جوش کی دلبر
حالی، اکبر کی جان ہے اردو
کھلتے ہیں پھول جس کے آنگن میں
اک ایسی گلستان ہے اردو
ٹپکے ہر لفظ سے شہد راشد
کتنی میٹھی زبان ہے اردو

■

**Ishtiaque Ahmed**
3, P. M Bustee, 2nd Bye Lane, Shibpur
Howrah- 711102 (West Bengal)
Mob.: 8240162221
ishtiaqueahmedrashid@gmail.com

اصغر شمیم

# تتلی

رنگ برنگی تتلی دیکھو
کتنی اچھی لگتی دیکھو

بچوں کو ہے بھاتی تتلی
پاس مگر کب آتی تتلی

دلکش کتنا اس کا چہرہ
پر ہے اس کا رنگ برنگا

پکڑو جب بھی اڑ جاتی ہے
تتلی ہم کو تڑپاتی ہے

نام ہے اس کا تتلی رانی
کرتی ہے اپنی من مانی

اصغر جب بھی اڑتی تتلی
دل کو سب کے بھاتی تتلی

■

**Asgar Shamim C/o Baitul Qasim**
12/3/H/1: Patwar Bagan lane
Kolkata- 700009 (West Bengal)
Mob.: 9836224948
asgar.ara@gmail.com

# شیر میاں کی شادی

شیر میاں کی شادی
بھالو، گھوڑا، ہاتھی
سب ہیں آج براتی
شیر میاں کی شادی

جوڑے گہنے پہنیں
دولہے کی سب بہنیں
چلتی ہیں اتراتی
شیر میاں کی شادی

کرتا، سرما، سہرا
رنگ جما ہے گہرا
ناچ رہے ہیں ساتھی
شیر میاں کی شادی

بندریا کا لہنگا
ہائے! کتنا مہنگا
من کو بڑا لبھاتی
شیر میاں کی شادی

گھوڑا آگے آگے
کیسا سرپٹ بھاگے
اس کی پیٹھ پہ قاضی
شیر میاں کی شادی

سارے بن ٹھن کر
پہنچے گھر دلہن کے
سیارن ڈھول بجاتی
شیر میاں کی شادی

دروازے شہنائی
سن دلہن شرمائی
روتی بھی ہے جاتی
شیر میاں کی شادی

شیر میاں کا کھانا
چاول دال ہی لانا
لانا ساتھ چپاتی
شیر میاں کی شادی

سن ببر غرایا
کیسا شیر ہے بھایا
شرم نہیں ہے آتی؟
شیر میاں کی شادی

اشیروں کے ہیں لالے؟
گھاس پھوس ہیں کھاتے؟
تو نے ناک کٹا دی
شیر میاں کی شادی

کبھی نہ ہوگا رشتہ
ناپو اپنا رستہ
لوٹیں سب براتی
شیر میاں کی شادی

پہنچے گھر جب تھک کے
منہ تھے سب کے لٹکے
ببر بنا فسادی
شیر میاں کی شادی

■

**Sadaf Jamal**
Vill. & Post Mahmoodabad
District:Barabanki- 225412(UP)
Mob.: 8173889954
sadafjamal104@gmail.com

# سایہ جو سورج کو نگل گیا

شبیر احمد

## کردار

ٹیچر – نرم لہجہ، شفیق، سائنسی معلومات سے بھرپور

جویریہ – بارہ سال کی عقلمند بچی، سائنسی تجسس سے بھرپور

حنظلہ – آٹھ سال کا ڈرپوک بچہ، سادہ اور معصوم

چاچا – دیہاتی بوڑھا، توہم پرست، دلچسپ لہجہ

یسریٰ – جویریہ کی چھوٹی بہن، عمر سات، شوقین

امی – مہربان، سمجھدار ماں

## منظر -1

(پردہ اٹھتا ہے)

باغیچہ – شام کا وقت

(جویریہ اور حنظلہ کھیلتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ یسریٰ گھاس پر بیٹھی گڑیا سے کھیل رہی ہے)

جویریہ: (جوش سے) حنظلہ! تمھیں پتہ ہے پرسوں سورج کو گرہن لگے گا؟

حنظلہ: (خوف زدہ) کیا؟ وہی جس میں سورج کو ایک سایہ نگل جاتا ہے؟ میں نے سنا ہے اس دن باہر نکلے تو آنکھیں پھٹ جاتی ہیں!

جویریہ: (ہنستی ہے) ارے نہیں، بھائی! یہ سب پرانی باتیں ہیں۔ سورج گرہن تو قدرت کا ایک نظارہ ہے۔

(اسی وقت چاچا ٹھگنا داخل ہوتے ہیں، سر پر پگڑی، ہاتھ میں چھڑی اور کاندھے پر ٹاٹ کا ایک پرانا جھولا لٹکائے)

چاچا: (لہک دار آواز میں) کیا کہا؟ سورج گرہن؟ ارے بچو، گھروں میں بند رہنا! پانی نہ پینا! کھانا مت کھانا! سایہ سب کچھ زہریلا کر دیتا ہے!

یسریٰ: (معصومیت سے) چاچو، سایہ زہریلا کیسے کر دے گا؟ وہ تو ٹھنڈا ہوتا ہے!

چاچا: (سنجیدہ انداز میں) یہ کوئی معمولی سایہ نہیں، آسمانی بلا ہے! راہو کا سایہ!!

جویریہ: (زیرِ لب مسکراتے ہوئے) مگر چاچا، راہو کے سائے کا سورج گرہن سے کیا لینا دینا؟

چاچا: راہو کا سایہ ہی تو سورج کو کھا جائے گا اور...

حنظلہ: (جوشیلے انداز میں مداخلت کرتے ہوئے) تب تو چاچا، سورج آسمان پر چمکے گا نہیں۔ غائب ہو جائے گا۔

چاچا: ٹھیک کہا تم نے۔ غائب ہو جائے گا۔ اس کے بعد...

(آنکھیں پھاڑے بچوں کو تکنے لگے)

یسریٰ: (سہم کر) اس کے بعد کیا ہوگا، چاچو!

چاچا: (ہاتھوں کو اوپر پھیلا کر سر ہلاتے ہوئے) اس کے بعد راہو کا سایہ زمین پر اترے گا۔ ہر چیز کو ڈھانپ لے گا۔ ان میں زہر بھر دے گا۔ ان چیزوں کو لوگ کھائیں گے تو بیمار پڑ جائیں گے۔ لیکن گھبراؤ نہیں بچو! اس کا توڑ ہے میرے پاس (جھولے سے تعویذ کا گچھا نکال کر ہوا میں لہراتے ہوئے)۔ دس روپے میں ایک! گرہن والے دن گلے میں یہ تعویذ پہن لینا۔ راہو کا سایہ تمھارا کچھ نہیں بگاڑے گا۔

(بچے سہم جاتے ہیں۔ مگر جویریہ مسکراتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

## منظر - 2

(پردہ اٹھتا ہے)

(کلاس روم: بینچ، بلیک بورڈ پر سورج، زمین اور چاند کی شکلیں، ٹیوب لائٹ کی سفید روشنی)

(ٹیچر کلاس میں داخل ہوتی ہیں، ہاتھ میں چارٹ لیے)

ٹیچر: (مسکرا کر) بچو، تمھیں تو معلوم ہوگا، کل سورج گرہن ہے۔ آج ہم سورج گرہن کے بارے میں جانیں گے۔ یہ کوئی بلا یا سایہ نہیں، یہ قدرت کا ایک مظہر ہے۔

(بلیک بورڈ پر چارٹ لگاتے ہوئے)

حنظلہ: (پیشانی پر بل ڈال کر) میم، یہ مظہر کون ہے؟

(ٹیچر مسکراتے ہوئے اسے تکتی ہیں)

جویریہ: (تھوڑا اچھلا کر) مظہر مطلب نظر آنے والا۔

(حنظلہ ہونٹ بچکا کر سر دائیں بائیں ہلاتا ہے۔)

ٹیچر: (نرم لہجے میں) حنظلہ، تم بس اتنا سمجھو، مظہر مطلب کوئی واقعہ! دیکھو، سورج، زمین اور چاند — یہ سب اسپیس میں گردش کرتے ہیں۔ جب چاند، زمین اور سورج کے بیچ آ جاتا ہے اور سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ پاتی ہے تو اسے سورج گرہن کہتے ہیں۔

حنظلہ: (تعجب سے) میم، تو راہو سورج کو نگلتا نہیں!

ٹیچر: (مسکرا کر) نہیں حنظلہ! سورج اپنی جگہ موجود رہتا ہے — جیسے جلتے ہوئے ٹارچ کے سامنے ہتھیلی پھیلا دو، ہتھیلی کی دوسری طرف روشنی آنا بند ہو جاتی ہے، مگر جلتا ہوا ٹارچ تو اپنی جگہ موجود رہتا ہے۔ ہے نا!

حنظلہ: (پیشانی پر بل ڈال کر) مگر چاچو تو...

جویریہ: چھوڑو ان باتوں کو۔ میم نے جو بتایا ہے، وہی سچ ہے۔

ٹیچر: (بیگ سے کالا چشمہ نکالتی ہیں) مگر خبردار! سورج گرہن کو خالی آنکھوں سے مت دیکھنا۔ چشمہ پہن کر دیکھنا۔ (بچوں کو چشمہ دیتی ہیں)

(حنظلہ مطمئن ہو جاتا ہے۔ بچے تالیاں بجاتے ہیں)

## منظر - 3

(پردہ اٹھتا ہے)

گرہن کا دن: امی کا باورچی خانہ

(امی آٹا گوندھ رہی ہے۔ سامنے اسٹوو پر توا دھرا ہے۔ چاچا داخل ہوتے ہیں)

چاچا: ارے بہنا، یہ کیا کر رہی ہو؟ کھانا مت بناؤ! آج نحوست کا دن ہے!

امی: (الجھن میں) لیکن جویریہ اور حنظلہ کہہ رہے تھے کہ گرہن تو قدرت کا کرشمہ ہے۔

جویریہ: (اندر آتی ہے) جی امی! ٹیچر نے سمجھایا ہے... کوئی

راہو، واہو نہیں ہے، بس چاند زمین اور سورج کے بیچ آجاتا ہے۔ کوئی سایہ ہے جو سورج پر پڑتا ہے۔ اور وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

یسریٰ: (ہنستے ہوئے) اور امی، راہو اسے نہیں کھاتا ہے اور نہ اس کا کوئی سایہ ہم پر پڑتا ہے۔

حنظلہ: (جوشیلے انداز میں) ہم نے سائنس سیکھ لیا ہے، امی۔ اب ہم پراٹھے کھا سکتے ہیں۔

چاچا: (قدرے جھلا کر) ارے... تو کیا برسوں کی باتیں، سب جھوٹ!

امی: (نرمی سے) بھیا، پرانی باتیں بری نہیں ہوتیں، لیکن وقت کے ساتھ علم تو بڑھتا ہے۔ اب مجھے بھی سمجھ آگئی ہے۔

چاچا: (حیرت سے) کیسی سمجھ بہنا؟

امی: (مسکرا کر) یہی کہ ایسا کوئی سایہ نہیں ہے جو چیزوں کو زہریلا کر دیتا ہے۔ گرہن تو ایک قدرتی منظر ہے، جسے ہم محفوظ طریقے سے دیکھ سکتے ہیں۔

(اور تبھی پس منظر سے ایک زوردار آواز فضا میں گونجتی ہے)

آواز: سورج گرہن شروع ہو گیا ہے۔

(پردہ گرتا ہے)

### منظر-4

(پردہ اٹھتا ہے)

گرہن کا وقت: گھر کا صحن

(روشنی دھیرے دھیرے مدھم ہوتی ہے۔ سورج کا کٹ آؤٹ چاند سے آہستہ آہستہ چھپنے لگتا ہے)

جویریہ: (چشمہ لگا کر) چاچو، آپ بھی چشمہ لگا لیجیے۔ سورج گرہن شروع ہو گیا ہے۔ (چاچا کو چشمہ بڑھاتی ہے)

یسریٰ: (ہنس کر) میم نے کہا ہے، بغیر چشمے کے سورج کو مت دیکھنا! سورج گرہن احتیاط سے دیکھنا ہے۔

(پس منظر میں ہلکی ہلکی موسیقی ...سب چشمہ لگائے آسمان میں ایک خاص سمت دیکھتے ہیں۔ روشنی مکمل مدھم ہو جاتی ہے۔ خاموشی کا لمحہ۔ پھر روشنی آہستہ سے واپس آتی ہے۔ گرہن ختم ہوتا ہے)

چاچا: (شرمندہ، مسکراتے ہوئے جھولے سے تعویذ نکال کر) میں سمجھ گیا، بچو! مگر ان کا کیا کروں۔ مفت بانٹ دوں؟

جویریہ: (ہنستی ہے) نہیں چاچا، اسے ندی میں پھینک دیں۔ اور اگلی بار جب سورج گرہن ہو تو لوگوں کو تعویذ کی جگہ چشمہ بانٹیں۔

(سب ہنسنے لگتے ہیں)

امی: (ہاٹ پاٹ لیے داخل ہوتی ہیں) لو بچو! گرما گرم پراٹھے کھاؤ۔ (چاچا سے مخاطب) لو بھیا، تم بھی کھاؤ۔ گھبراؤ نہیں۔ پراٹھے زہریلے نہیں ہیں۔

(بچے ہنستے ہیں۔ چاچا بھی قہقہہ لگاتے ہیں۔ سب مل کر پراٹھے کھانے لگتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

■

**Shabbir Ahmed**
11B/1, K. B. Bose Lane
Kolkata-700033(West Bengal)
Mob. 8961491731
shabbir36@gmail.com

محمد اسد اللہ

# زیبرا کراسنگ

’**ابو!** زیبرا کراسنگ کیا ہے؟‘

الطاف صاحب اپنے بیٹے کے اس سوال پر ذرا چونکے اور پھر مسکرا کر پوچھا، ’تمھیں یہ کس نے بتایا؟‘

’کل ہماری ٹیچر ہمیں راستہ چلنے کے اصولوں کے بارے میں بتا رہی تھیں۔ تبھی انھوں نے زیبرا کراسنگ کا ذکر کیا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ جب تم پیدل ہو اور راستہ پار کرو تو زیبرا کراسنگ سے جایا کرو۔‘

’ہاں بالکل ٹھیک کہا تمھاری ٹیچر نے، لیکن کیا اس کے بارے میں اور کچھ نہیں بتایا انھوں نے۔‘

’نہیں، کلاس ختم ہوگئی تھی، اس لیے کہا کہ کل بتائیں گے۔‘

اچھا! زیبرا کراسنگ دراصل پیدل راستہ کراس کرنے والے لوگوں کے لیے سڑک پر بنایا گیا ایک نشان ہے۔ اس نشان میں ایسی دھاریاں ہوتی ہیں جیسے زیبرا کے جسم پر پائی جاتی ہیں۔ سفید اور کالی دھاریاں۔ ایسی ہی پٹیاں سڑک پر پینٹ کی جاتی ہیں۔ زیبرا اور اس کے رنگ کو تو تم اچھی طرح جانتے ہی ہو، پچھلی بار جب ہم چڑیا گھر گئے تھے تب بھی اسے دیکھا تھا۔

’ہاں، دیکھا تو تھا مگر پہلے آپ زیبرا کے بارے میں بتائیے۔‘

’زیبرا گھوڑے سے ملتا جلتا جانور ہے، اس کا جسم مضبوط، ٹانگیں پتلی، گردن پر ایال یعنی بال ہوا کرتے ہیں۔ زیبرا گھاس پھوس چرنے والے جانوروں میں سے ہے۔ خوراک کی تلاش میں دور تک سفر کر لیتا ہے۔ عام

طور پر یہ جانور جھنڈ بنا کر رہتے ہیں اور ان جگہوں سے قریب رہتے ہیں جہاں پانی میسر ہو۔ یہ افریقی ممالک، خاص طور پر مشرقی اور جنوبی افریقہ میں پائے جاتے ہیں اور زیبرا کی سب سے اہم بات جو اسے دوسرے جانوروں سے الگ کرتی ہے وہ اس کے جسم پر پائی جانے والی کالی اور سفید دھاریاں ہیں۔'

اچھا تو اسی لیے زیبرا کراسنگ میں ایسی دھاریاں ہوتی ہیں، مگر یہ کیوں بنایا جاتا ہے؟

جس راستے پر ٹریفک زیادہ ہو وہاں خاص طور پر زیبرا کراسنگ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ راستے سے ہر قسم کی سواریاں گزرتی ہیں جیسے موٹریں، کاریں، اسکوٹر، ٹرک، ٹریکٹر، ایمبولینس، جے سی بی، بس وغیرہ۔ وہ راستہ جہاں سے تیز رفتار سواریاں گزر رہی ہیں، اسے کوئی پیدل پار کرنا چاہے تو وہ کسی حادثے کا شکار ہو سکتا ہے۔ ایسے راستے کو پار کرنے والے مسافروں میں جس کا جہاں سے جی چاہے گا وہیں سے گزرنے کی کوشش کرے گا اور ہر شخص کے لیے سواریوں کو اپنی رفتار کم کرنی پڑے گی۔ اس کے بجائے اگر ایک جگہ مقرر کر لی جائے جہاں سے سارے پیدل چلنے والے راستہ عبور کر لیں تو وہ بھی محفوظ رہیں گے اور سواریوں کو بھی ہر جگہ رفتار کم کرنے اور احتیاط برتنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یوں سمجھ لو کہ زیبرا کراسنگ ایک نشان ہے جو پیدل چلنے والوں سے کہتا ہے کہ آپ کسی راستے کو کہیں سے بھی کراس نہ کریں بلکہ اگر اس راستے پر زیبرا کراسنگ ہو تو وہیں سے جائیں۔ اسی طرح یہ سواریوں کے ڈرائیوروں کے لیے بھی ایک پیغام ہے کہ زیبرا کراسنگ پیدل چلنے والوں کا خاص راستہ ہے، آپ اس کے پاس آ کر اپنی گاڑیوں کی رفتار دھیمی کر لیں۔'

''کیا یہ نشان ہر راستے پر ہوتا ہے؟''

نہیں، یہ خاص طور پر ان راستوں پر ہوا کرتا ہے جن پر ٹریفک بہت زیادہ ہو اور پیدل چلنے والے اس راستے کو کراس کرتے ہوں۔ ایسے راستوں پر زیبرا کراسنگ بہت ضروری ہے۔'

'کیوں؟'

آج دنیا بھر میں سواریوں کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہونے لگا ہے اور اسی لیے حادثات کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے۔ دنیا میں ہونے والے سڑک کے حادثات اور اموات کے معاملے میں بھارت سر فہرست ہے۔ یہاں سڑک کے حادثات کی تعداد تشویشناک ہے۔ اس لیے سڑک پار کرتے ہوئے اور گاڑی چلاتے ہوئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے ملک میں اتنے حادثات کیوں ہوتے ہیں؟

ہمارے یہاں اکثر ٹریفک کے اصولوں کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ کیونکہ ہمارے یہاں عام لوگوں میں traffic sense یعنی راستہ چلنے کے اصولوں کا شعور کم ہے۔ اسی شعور کو پیدا کرنے کے لیے اسکولوں میں خاص طور پر پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں اور طلبا کو ان اصولوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

'کیا زیبرا کراسنگ کا نشان ہمیشہ سے راستوں پر ہوا کرتا تھا؟'

نہیں۔ زیبرا کراسنگ کی ابتدا سب سے پہلے برطانیہ میں 1940 کی دہائی میں ہوئی۔ اس سے پہلے

پیدل چلنے والوں کے لیے کوئی الگ راستہ یا راستے پر کوئی خاص نشان نہیں بنایا جاتا تھا۔ برطانیہ میں سڑکوں پر سواریوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو اسی کے ساتھ سڑکوں پر حادثات بھی بڑھنے لگے تب ایک برطانوی سیاست داں نے اس طرف توجہ دلائی۔ برطانوی ٹریفک انجینئرز نے زیبرا کراسنگ کا خیال پیش کیا، یہ ایک تجربہ تھا۔ اسے زیبرا کراسنگ کا نام دیا گیا۔ زیبرا کراسنگ کے جاری کرنے سے پہلے اس کے الگ الگ نمونے مختلف علاقوں میں لگائے گئے، بعد میں جب اسے منظوری مل گئی تو سرکاری طور پر پہلی زیبرا کراسنگ 31 اکتوبر 1951 میں برطانیہ کے شہر سلاؤ (Slough) میں لگوایا گیا۔ بعد میں یہ طریقہ چل پڑا اور پوری دنیا میں مقبول ہوا۔

1960 کی دہائی تک زیبرا کراسنگ کا یہ ماڈل انگلینڈ اور اس کے باہر بھی دیگر ممالک میں عام ہوگیا تھا۔ اس کا نشان عالمی طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے۔ یہ نشان سواریوں کے ڈرائیور اور پیدل چلنے والوں کو آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ زیبرا کراسنگ کا نشان راستے پر گہرے رنگ سے بنایا جاتا ہے۔ یہ کالی اور سفید پٹیاں 40 سے 60 سینٹی میٹر (14-16 انچ) چوڑی ہوا کرتی ہیں۔

مختلف ملکوں میں زیبرا کراسنگ کے ڈیزائن میں تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں۔ اسپین میں سفید دھاریوں کی جگہ گائے کے جسم پر پائے جانے والے کالے اور سفید دھبوں کو اپنایا اور اسے 'کاؤ کراسنگ' کا نام دیا گیا۔ اسی طرح ہانگ کانگ میں سفید کی جگہ پیلے رنگ کو اختیار کر کے اسے 'ٹائیگر کراسنگ' کہا گیا۔ آسٹریلیا میں ان نشانات کو اسپیڈ بریکر پر لگایا جانے لگا۔

اگر پیدل چلنے والے اور سواریوں کے ڈرائیور اس نشان کے اصول کی پابندی کریں تو خاص طور پر پیدل چلنے والے لوگوں کے ساتھ ہونے والے حادثات میں واضح طور پر کمی ہوسکتی ہے۔ ٹریفک سیفٹی کے لحاظ سے اس کے بہتر نتائج سامنے آئے ہیں۔ اس کے باوجود جن شہروں میں لوگوں میں ٹریفک سینس یعنی راستہ چلنے کے شعور کی کمی ہوتی ہے وہ ان اصولوں کی پابندی نہیں کرتے جس سے حادثات رونما ہوتے ہیں۔ زیبرا کراسنگ میں موجود سفید اور کالی دھاریاں دور ہی سے بہ آسانی نظر آتی ہیں اور پیدل چلنے والوں کو محفوظ راستہ فراہم کرتی ہیں۔ اسی طرح سواریوں کے ڈرائیوروں کو خبر دار کرتی ہیں کہ وہ اس جگہ پیدل چلنے والوں کا خیال کرتے ہوئے اپنی سواریوں کی رفتار کو کم کریں۔ اس سے راستوں پر ٹریفک کے بہاؤ کو منظّم کرنے میں مدد ملتی ہے اور حادثات کے امکانات کم ہوجاتے ہیں۔

آج دنیا میں ہر جگہ سواریوں کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہورہا ہے۔ اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے دنیا میں مختلف قسم کے قوانین بنائے گئے ہیں۔ ہمیں ان اصولوں اور قوانین کی پابندی کرنی چاہیے اور دوسروں کو بھی سمجھانا چاہیے۔

'ابو! آپ نے زیبرا کراسنگ کے بارے میں ڈھیر ساری باتیں مجھے بتادیں۔ شکریہ!'

■

**Muhammad Asadullah**
30, Gulistan Colony
Pandey Umrai Lance
Nagpur- 440013 (Maharashtra)
Mob.: 9579591149
zarnigar2006@gmail.com

رئیس صدیقی

# دایاں کان

**میں برآمدہ** میں آرام کرسی پر بیٹھا ایک کتاب پڑھنے میں مشغول تھا کہ گیٹ پر دستک کے ساتھ ایک آواز سنائی دی۔

کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟

میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو گھر کے گیٹ پر ایک اجنبی نوجوان کھڑا تھا۔

جی ہاں، تشریف لائیے۔ کرسی سے اٹھتے ہوئے میں نے کہا۔

آداب عرض ہے جناب، کیا آپ ہی کا نام امیر صاحب ہے؟

اجنبی نے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

جی ہاں، ہے تو اسی ناچیز کا نام، لیکن جناب یہ بندہ صرف نام کا امیر ہے اور صاحب تو قطعی نہیں ہے۔ خیر فرمائیے، کیسے زحمت کی آپ نے؟ آپ کا اسم مبارک؟ آپ کا تعارف؟

جناب میرا نام رضوان احمد ہے۔ میں دلی سے حاضر ہوا ہوں۔ افسر علی جعفری صاحب نے آپ کے نام ایک خط بھیجا ہے۔

رضوان نے میری طرف خط بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے خط کھول کر پڑھنا شروع کیا:

میاں امیر خوش رہو،

ارے بھئی کہنا یہ ہے کہ میرے ایک دوست رضوان صاحب سیر و تفریح کی غرض سے لکھنؤ تشریف لا رہے ہیں۔ ذرا تم ان کو ٹھیک سے لکھنؤ گھما دینا۔

نوٹ: اور ہاں میں خاص بات بتانا تو بھول ہی گیا تھا۔ بھئی یہ حضرت شرط لگانے میں ماہر ہیں۔ تم ذرا محتاط رہنا۔ کیونکہ تمھاری بھی شرط لگانے کی بہت بُری عادت ہے!

دُعا گو۔ افسر علی جعفری، دہلی

ارے آپ ابھی تک کھڑے ہیں۔ تشریف رکھیے۔ خط ایک طرف رکھتے ہوئے میں نے کہا۔

اسی دوران ملازمہ شربت رکھ کر چلی گئی۔ میں نے شربت کا گلاس میاں رضوان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہاں رضوان صاحب، سب سے پہلے تو آپ شربت نوش فرمائیے۔ پھر دوسری باتیں ہوں گی۔ ویسے آج بہت گرمی پڑ رہی ہے۔

جی ہاں گرمی تو آج واقعی بہت زیادہ ہے۔ دلی جیسی ہی گرمی یہاں بھی ہے۔

رضوان نے رومال سے منہ کا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔

امیر صاحب ایک بات عرض کروں؟ بات کچھ ایسی ہے کہ اسے گستاخی تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہتے ہوئے جھجک رہا ہوں۔

شربت کا مزہ لیتے ہوئے رضوان نے کہا۔

ہاں ہاں فرمائیے، کیا بات ہے؟ آپ بلا تکلف فرمائیں۔ میں نے بے تکلف ہوتے ہوئے کہا۔

جناب آپ کے دائیں کان میں کوئی چیز بھری ہوئی ہے، غالباً کان کا میل ہے!

میرے دائیں کان کی طرف دیکھتے ہوئے رضوان نے کہا۔

کان میں کچھ ہے......؟ نہیں تو.... میرے کان تو بالکل صاف رہتے ہیں۔ اپنے داہنے کان میں اُنگلی ڈالتے ہوئے میں نے رضوان کو یقین دلایا۔

امیر صاحب واقعی آپ کے دائیں کان میں کچھ ہے!

شربت کا گلاس رکھتے ہوئے میاں رضوان نے اپنی بات دہرائی۔

جناب یقین کیجیے کہ آپ کے کان میں ضرور کچھ ہے۔ مجھے یہاں سے صاف دکھائی دے رہا ہے۔ لیجیے میں 100 روپے کی شرط لگانے کو تیار ہوں۔

رضوان نے اپنی شرٹ کی جیب سے 100 کا نوٹ نکالتے ہوئے بہت یقین کے ساتھ کہا۔

اگر آپ کو اپنے اوپر اتنا ہی اعتماد ہے تو میں بھی شرط لگاتا ہوں۔

میں نے بھی 100 روپے میز پر رکھ کر اپنا دایاں کان اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

رضوان میرے پاس آ کر میرا کان پکڑ کر بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

ایں! کان میں تو کچھ نہیں ہے۔ دور سے نہ جانے مجھے کیا دکھائی دے رہا تھا!

میں نے مسکراتے ہوئے 100 کا نوٹ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ لیکن چند ہی لمحوں بعد میں شدت سے سوچنے لگا کہ ضرور میرے کان میں کچھ ہے۔ ورنہ خواہ مخواہ رضوان 100 روپے کی شرط کیوں لگاتا؟ میں اپنے کمرے میں رکھے قدِ آدم آئینہ کے سامنے آیا اور ترچھے ہو کر پہلے دایاں، پھر بایاں کان غور سے دیکھنے لگا۔ لیکن دونوں کان بالکل صاف تھے۔

میں نے اپنی بیگم عارفہ سے کہا کہ ذرا غور سے میرے کانوں کے اندر کی طرف دیکھو کہ کیا کان میں میل ہے؟

کچھ بھی تو نہیں ہے کان میں۔ بیگم صاحبہ نے کان دیکھتے ہوئے کہا۔

بہرحال، بات آئی گئی ہو گئی۔ رضوان بھی لکھنؤ گھوم کر دلّی واپس چلے گئے۔

ایک دن میں نے افسر علی صاحب کو خط لکھا اور ساتھ ہی ساتھ اس دلچسپ واقعہ کا بھی ذکر کیا۔ غالباً ایک ہفتے بعد خط کا جواب آیا جس میں لکھا تھا۔

میاں امیر خوش رہو! آج ہی تمھارا خط ملا۔ بھئی کیا بتاؤں خط پڑھ کر میاں رضوان پر غصہ بھی آیا اور ہنسی بھی۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ تم نے شرط جیت لی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تم اور میں یعنی دونوں شرط ہار گئے۔ سچ پوچھو تو اس نے شرط پر شرط لگائی تھی۔

دراصل قصہ یہ ہے کہ میاں رضوان نے یہاں سے لکھنؤ روانہ ہوتے وقت مجھ سے 100 روپے کی شرط لگائی تھی کہ جس دن وہ تم سے ملاقات کرے گا، اسی دن وہ تمھارا دایاں کان اینٹھے گا!!!

■

**Rais Siddiqui**
Bungalow No.: 2, Rahat Kada
14- Green Valley Enclave
Airport Road
Bhopal- 462030 (MP)
rais.siddiqui.ibs@gmail.com

نصرت شمسی

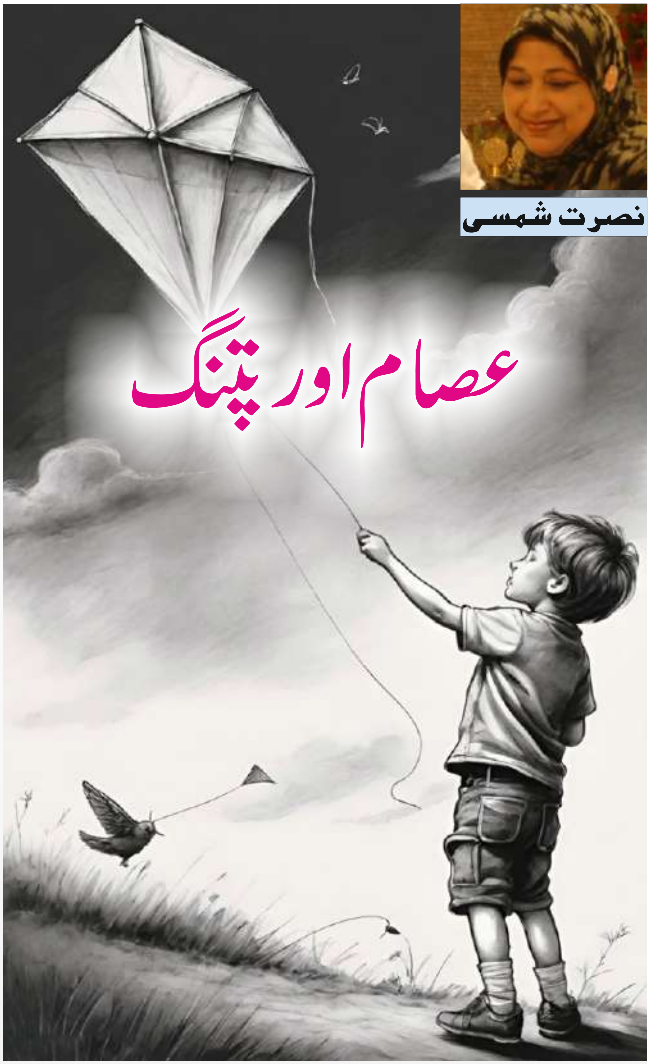

# عصام اور پتنگ

**عصام** کو پتنگ بازی کا بہت شوق تھا، وہ ہر وقت اسی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ اس کی ممی پریشان تھی کہ کس طرح اس کی پتنگ بازی کی عادت کو چھڑایا جائے۔ سب لوگ اسے سمجھاتے اور پتنگ کے نقصانات بھی بتاتے لیکن اپنی عادت سے وہ مجبور تھا۔

ایک دن عصام چھت پر چڑھا پتنگ اڑا رہا تھا۔ دادی اور امی چارپائی پر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں۔ ٹھنڈ کا موسم تھا اور کئی دنوں کے بعد دھوپ نکلی تھی۔ سب اپنی چھتوں پر آ چکے تھے اور ہر چھت پر ایک پتنگ باز بھی موجود تھا۔

"وہ کاٹا... وہ کٹی... چھوڑ چھوڑ یہ میری پتنگ ہے۔"

جیسی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ عصام کی پتنگ کافی اونچی ہو چکی تھی۔ وہ منھ اٹھائے پتنگ پر نظریں جمائے ادھر سے ادھر دوڑ رہا تھا تبھی اچانک کسی چیز کے پٹ سے گرنے کی آواز آئی۔ دادی نے اچھل کر دیکھا اور ایک چیخ ماری۔

"ہائے کٹ گئی۔" عصام نے دادی کی آواز پر مڑ کر دیکھا تو ایک چیل زمین پر پڑی تڑپ رہی تھی۔ اس کا بازو کٹ چکا تھا جس سے خون نکل رہا تھا۔

"عصام دیکھو یہ کیا ہوا ہے؟" امی نے سبزی چھوڑ کر چیل کو دیکھا۔ جو بری طرح ہل رہی تھی۔

"عصام! دیکھو کسی کے چائنیز مانجھے سے اس بے چاری کا کیا حال ہوا ہے؟ کیا تمھاری پتنگ سے کٹی ہے؟"

"نہیں دادی۔" عصام نے جلدی سے پتنگ اتارنا شروع کر دیا۔

"کیا ہوگا اس کا اب؟" عصام کی ممی نے پوچھا۔

"بیٹا نیچے کسی سے کہو ہلدی تیل بنا کر اوپر دے جائے۔ بے چاری کیسے تڑپ رہی ہے۔ عصام، اللہ کتنا ناراض ہوگا پتہ ہے کچھ؟ اپنے مزے کے لیے بے زبان کی جان لے لی۔"

عصام پتنگ اتار کر چیل کے پاس آ چکا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے؟ ڈر بھی تھا اور

سامنے پڑی تڑپتی چیل بھی۔ اس کی چونچ کھلی ہوئی تھی اور سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھی۔ دادی نے بوتل سے پانی کے چند قطرے اس کی چونچ پر ٹپکائے۔

''دادی اب کیا ہوگا؟ ابو مجھے بہت ماریں گے۔''

عصام بری طرح ڈر چکا تھا۔

''ہاں ڈانٹ تو پڑنا ہی چاہیے۔ ابو سے ڈر لگ رہا ہے اور اللہ سے نہیں؟ وہ پوچھے گا کہ کیوں ایسی چیز سے کھیل رہے تھے جو کسی کی جان لے سکتی ہے۔ تو کیا کہو گے؟ بیٹا ان سب کو بھی اللہ نے ایسی ہی زندگی دی ہے جیسے ہمیں اور تمھیں۔ ان کا بھی گھر، رشتے دار اور بچے ہوتے ہیں۔ یہ بھی اللہ سے شکایتیں کرتی ہیں جب انھیں کوئی نقصان پہنچاتا ہے۔''

اتنی دیر میں ہلدی تیل آچکا تھا۔ ممی اور دادی نے مل کر چیل کے زخم پر اوپر سے ہلدی تیل ٹپکا دیا کیونکہ انھیں بھی چیل سے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ بھی زمین پر پھڑ پھڑا رہی تھی اور اڑنے کو کوشش میں گھومے جا رہی تھی۔

دو گھنٹے بعد ابو کے آنے کا وقت ہونے والا تھا اور عصام کا ڈر کے مارے برا حال تھا۔ وہ دوپہر سے شام تک کئی بار ممی اور دادی سے وعدہ کر چکا تھا کہ اب پتنگ نہیں اڑائے گا۔ بس ابو کو پتہ نہ چلے لیکن اسے یہ بھی پتہ تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ گھر کی ہر بات ابو کے علم میں لائی جاتی ہے۔ بس اب اس کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ لحاف میں گھس کر سو جائے اور اس نے ایسا ہی کیا۔

اگلی صبح اتوار تھا اور ابو کی چھٹی تھی۔ چائے ناشتے سے فارغ ہو کر ابو نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ ''چلو چیل کو تھیلے میں ڈالو، ڈاکٹر کے پاس چلنا ہے۔ اس کا علاج کرانا ہے۔''

عصام کا اتنا سن کر ہی پیر کانپنے لگے۔

''ابو...''

''چلو آؤ میرے ساتھ۔'' ابو نے بہت پیار سے عصام کا ہاتھ پکڑا اور چھت پر لے گئے۔ چیل ایک کونے میں پڑی تھی۔ اس کی حالت کل سے ذرا بہتر تھی لیکن اس کا پر چھت پر کل کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ اس نے نگاہیں گھما کر آنے والوں کو دیکھا اور کھسک کر دور ہوگئی۔

ابو نے اسے کھانا دیا اور اس کے قریب پانی بھر کر رکھ دیا۔ عصام حیران تھا کہ ابو نے اسے ڈانٹا بھی نہیں۔

''بیٹا حیران ہو رہے ہو کہ ابو نے ڈانٹا تک نہیں۔؟''

ابو کے ایسا کہنے پر عصام کو لگا کہ انھوں نے اس کے دل کی بات سن لی۔

''مجھے دادی اور امی نے بتایا کہ تم نے پکا وعدہ کیا ہے کہ اب پتنگ نہیں اڑاؤ گے؟ بیٹا پتنگ اڑانا کوئی بری بات نہیں ہے لیکن آج کل جو یہ چائنیز مانجھہ استعمال ہونے لگا ہے دراصل اس سے پریشانی بڑھ گئی ہے۔ ایک سیکنڈ میں چیز کو کاٹ دیتا ہے، سنتے ہو نا کہ آئے دن کتنی خبریں آتی رہتی ہیں کہ کسی کی گردن کٹ گئی کسی کی ناک۔ بہت سے لوگوں کی مانجھے کی وجہ سے موت بھی ہو چکی ہے۔ جو بھی لوگ یہ استعمال کرتے ہیں یا جن کی پتنگ سے یہ تمام حادثات ہوتے ہیں انھیں یا کسی کو پتہ ہو یا نہ ہو لیکن اللہ کو سب پتا ہے۔ تو میرا بیٹا ہمیں ایسا کام ہی نہیں کرنا چاہیے نا جس سے کسی کی جان چلی جائے۔''

جی ابو۔'' عصام بہت شرمندہ تھا۔ اسے چیل کی حالت دیکھ کر ترس آ رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ ''اگر اس

کے ساتھ ایسا ہوجائے تو اس پر کیا گزرے گی؟''ابو کے اس طرح پیار سے سمجھانے پر اس کا حوصلہ بڑھ گیا اور اس نے ہمت کر کے پوچھا۔

''ابو اب یہ کیسے اڑے گی؟''

''دیکھتے ہیں کیا ہوسکتا ہے؟ کل ڈاکٹر سے مل کر پتہ چلے گا۔ جب تک اس کا خیال رکھنا۔''

''جی ابو۔'' دوسرے دن ابو نے ڈاکٹر سے بات کی تو پتہ چلا کہ

''اب اس کا بازو صحیح نہیں ہوگا۔ ٹانکے لگنے کا وقت نکل گیا ہے۔ اب یہ ساری عمر نہیں اڑ پائے گی۔''

اس خبر نے عصام کے دل کو بڑا دکھایا کہ اس کی وجہ سے چیل اب معذوری کی زندگی جیے گی اور اپنے خاندان، رشتے داروں سے بچھڑ گئی۔ شاید اب کبھی ان سے نہ مل سکے۔

پھر بہت سارے دن گزر گئے۔ چیل عصام کی چھت پر رہتی رہی اور رفتہ رفتہ وہ ایک دوسرے کے عادی بن گئے۔ اب وہ کسی کو بھی دیکھ کر بھاگتی نہیں تھی۔ عصام تو گھنٹوں اس سے باتیں کرتا رہتا تھا لیکن وہ ساری عمر ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ ابو برابر اس فکر میں تھے کہ وہ کسی طرح اسے کہیں ایسی جگہ چھوڑ آئیں جہاں اور پرندے بھی ہوں۔

چیل کو ان کے گھر رہتے چھ مہینے گزر گئے تھے کہ ایک دن ابو گھر آئے تو انھوں نے بتایا کہ شام کو ایک صاحب آئیں گے۔ وہ چیل کو لے جائیں گے اور اسے ایک جنگل میں چھوڑ آئیں گے۔ جہاں بہت سے ایسے پرندے رہتے ہیں جو اس طرح حادثوں کا شکار ہو کر اپنے جسم کا کوئی حصہ گنواں بیٹھتے ہیں۔

اس خبر نے عصام کو اداس کر دیا لیکن وہ خوش بھی تھا کہ چلو اس بے چاری کی زندگی کچھ تو بہتر ہوگی۔ پھر اسی شام ایک چاچا آئے اور وہ چیل کو پکڑ کر اپنے تھیلے میں ڈال کر لے گئے۔ عصام بہت اداس تھا اور سب گھر والے بھی چیل کی کمی کو محسوس کر رہے تھے لیکن پھر بھی ایک خوشی تھی۔

اس حادثے نے عصام کو سبق دیا تھا کہ اس نے پھر زندگی بھر چائنیز مانجھے کا استعمال نہیں کیا اور اپنے دوستوں کو بھی اس حادثہ کا بتا کر ان سب سے بھی اس کا استعمال چھڑوا دیا۔

■

**Nusrat Shamsi**
Anjuman Street, Do Mehla Road
Rampur (UP)
Mob.: 9045380276
nusratshamsi123@gmail.com

## جواب

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| 1 | 5 ستمبر | 2 | مہ لقا بائی چندہ | 3 | نظیر اکبرآبادی | 4 | The Fuselage |
| 5 | سانپ | 6 | والٹر برچ (Walter Bruch) | 7 | 1960 | 8 | پیونگ یانگ، نارتھ کوریا |
| 9 | اقوام متحدہ | 10 | رُڈیارڈ کپلنگ | 11 | اکتوبر 1945 | 12 | 8 منٹ 20 سیکنڈ |
| 13 | جوش ملیح آبادی | 14 | گوا | 15 | نائٹروجن | 16 | 27 ستمبر |
| 17 | دی انڈین میوزیم | 18 | ڈیٹا ذخیرہ کرنے والی ڈیوائس | 19 | A telescope | 20 | ممبئی 1927 |

# کاہل اور سست جانور

ناظمہ پروین

**دنیا** عجائبات سے بھری پڑی ہے۔ اگر ہم اپنے چاروں طرف پائے جانے والے جانوروں کا جائزہ لیں تو ہمیں بڑے عجیب وغریب جاندار نظر آئیں گے، کوئی بہت بڑا ہے تو کوئی اتنا چھوٹا کہ مکھی کے برابر جیسے بمبل بیٹ، کوئی چیتے کی طرح پھرتیلا تو کوئی سلوتھ جیسا سست، کوئی درختوں کی اونچائی پر رہتا ہے تو کوئی زمین پر بل بنا کر۔ بعض جاندار پوری زندگی بغیر پانی پیے گزار دیتے ہیں تو بعض بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ وھیل جیسے جاندار ایک دن میں کئی سو کلو کھانا کھاتے ہیں تو کچھ ایک بار کھانا کھا کر ہفتے بھر کچھ نہیں کھاتے۔ جانداروں کی اتنی قسمیں ہیں کہ آپ ان کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں تو کئی ضخیم کتابیں بن جائیں لیکن ان کا تذکرہ ختم نہ ہو۔

آج ہم آپ کی ملاقات دنیا کے انتہائی سست جانوروں سے کراتے ہیں جن کے بارے میں پڑھ کر آپ حیران ہوں گے کہ قدرتی ماحول میں رہنے والا کوئی جاندار اتنا کاہل بھی ہوسکتا ہے۔ ان جانداروں کے کاہل پن کے لیے ان کی جسمانی ساخت، ارتقا کا عمل اور Metabolism ذمے دار ہوتا ہے۔ (میٹابولزم وہ عمل ہے جو ہمارے جسم میں پہنچنے والی غذا کو توانائی میں تبدیل کرتا ہے اور نئے خلیات بناتا ہے)۔

ان سست جانداروں میں پہلا نمبر آتا ہے جنوبی امریکہ کے امیزون جنگلوں میں پائے جانے والے سلوتھ کا۔ بھئی سلوتھ بڑا عجیب جانور ہے۔ یہ درختوں پر رہتا ہے۔ اپنے مضبوط پنجوں اور پاؤں کی مدد سے بڑی شاخوں پر لٹک جاتا ہے۔ یہ کچھ کچھ بندر اور بھالو سے ملتا جلتا ہے لیکن بندر اور بھالو کے برعکس بہت سست اور کاہل ہے۔ آپ کو سن کر ہنسی آئے گی کہ یہ اس قدر سست اور کاہل ہوتا ہے کہ درختوں پر کئی کئی دن بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے اور اس کے جسم پر کائی (Algae) اگ آتی ہے۔ یہ پندرہ سے بیس گھنٹے سوتا ہے۔ یہ فضلہ خارج کرنے جیسے ضروری کام کے لیے بھی آٹھ دن میں ایک مرتبہ درخت سے نیچے آتا ہے اور اتنا فضلہ کرتا ہے کہ اس کا تیس فیصد وزن کم ہو جاتا ہے۔ کئی بار اس کا ننھا بچہ درخت سے نیچے گر جاتا ہے تو یہ اسے اٹھانے کے لیے درخت سے اترنے کی زحمت نہیں کرتا اور بچے کو مرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں صرف تین نوکیلے ناخن ہوتے ہیں۔ اس کی پکڑ اس قدر مضبوط ہوتی ہے کہ یہ آسانی سے درخت پر گھنٹوں لٹکا رہتا ہے۔ کئی بار تو یہ درخت پر مرنے کے بعد بھی لٹکا رہتا ہے کیونکہ اس کے پنجوں کی گرفت ختم نہیں ہوتی۔ یہ ایک بار کھانا کھالے تو اسے ہضم کرنے کے لیے اسے ایک دو دن نہیں بلکہ ہفتہ بھر لگ جاتا ہے۔ دراصل اس کا میٹابولزم بہت سست ہوتا ہے۔

## کوالا

بچوں کے کھیلنے والے ٹیڈی بیئر جیسا بھولا بھالا پیارا پیارا کوالا (Koala) آسٹریلیا

میں پایا جاتا ہے۔ یہ بھی کنگاروکی نسل کا پیٹ پر تھیلی والا جاندار Marsopial ہے۔ یہ اپنی زندگی کا زیادہ تر وقت سوکر گزارتا ہے۔ یہ اٹھارہ سے بیس گھنٹے سوتا ہے۔ یوکلپٹس کے پتے اس کا مرغوب غذا ہے۔ دراصل ان پتوں میں غذائیت برائے نام ہوتی ہے۔ ان سے کوالا کا پیٹ تو بھر جاتا ہے لیکن غذائیت نہیں ملتی، چنانچہ اپنی توانائی بچانے کے لیے یہ دن بھر درختوں پر سوتا رہتا ہے۔ اس کی ایک اورخوبی یہ ہے کہ یہ بہت کم پانی پیتا ہے۔ مہینے میں ایک آدھ بار یہ درخت سے اتر کر چند گھونٹ پانی پیتا ہے۔ اسے جتنے پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے یوکلپٹس کی پتیوں سے مل جاتی ہے۔ کوالا اکیلا رہنا پسند کرتا ہے۔

## اَژدھا

بڑے پھن والا اَژدہا کبھی کبھار رینگتا ہوا نظر آجاتا ہے۔ اس کے زہر اور مضبوط پکڑ کے خوف سے بڑے بڑے جانور یہاں تک کہ ہاتھی بھی گھبراتے ہیں۔ یہ ٹھنڈے خون والا جانور ہے۔ ایسے جانوروں کوخون گرم رکھنے کے لیے دھوپ یا گرم جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اژدہا اگر ایک بار کچھ کھالے تو اسے ہضم کرنے میں بڑا وقت لگتا ہے۔ کئی مرتبہ تو یہ ہفتوں اور مہینوں کچھ نہیں کھاتا اور بغیر کھائے پیے سست پڑا رہتا ہے۔ اس کی زیادہ تر توانائی کھانا ہضم کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ کئی جگہ تو ایسا دیکھا گیا ہے کہ اژدہا ہفتوں کسی جگہ پڑا رہتا ہے اور اس کے جسم پر مٹی جم جاتی ہے اور یہ مٹی میں چھپ جاتا ہے۔

## پانڈا

چین میں پایا جانے والا پانڈا بھی سست جانوروں کی فہرست میں شامل ہے۔ یہ دراصل بھالو کی نسل کا جانور ہے۔ یہ سفید رنگ کا ہوتا ہے اوراس کی آنکھوں، کانوں، ٹانگوں اور کاندھوں کے اردگرد سیاہ دھبے ہوتے ہیں۔ اس کا وزن سو سے 115 کلوگرام تک ہوتا ہے۔ اس کے اگلے پنجوں میں انگوٹھا نمایاں ہوتا ہے جس کی مدد سے یہ بانس کی پتیاں کھاتا ہے۔ یہ بے حس وحرکت کسی بھی جگہ پڑا رہتا ہے۔ بانس کی پتیوں اور نرم چھال سے اسے غذا ملتی ہے۔ یہ چین کے سی چوان کے پہاڑی جنگلات میں رہتا ہے۔ نر اور مادہ الگ الگ رہتے ہیں۔ یہ ایک تنہائی پسند جاندار ہے۔ دراصل اسے بانس کی پتیوں سے مکمل غذائیت نہیں ملتی۔ اس لیے اس کا میٹابولزم سست ہوتا ہے۔ دن میں زیادہ تر وقت یہ سست رہتا ہے۔ علی الصبح یا رات کے وقت یہ حرکت میں آتا ہے۔

لیکن حیرت انگیز طور پر پانڈا دوسرے بھالوؤں سے اس معاملے میں الگ ہے کہ یہ دوسرے بھالوؤں کی طرح سردیوں کی نیند Pybernation میں نہیں جاتا۔ یہ سردیوں میں بھی بیدار رہتا ہے۔ حالانکہ یہ پیڑوں اور پہاڑوں کے اندر پڑنے والی دراروں میں رہتا ہے لیکن کبھی اپنا گھر نہیں بناتا۔ نہ ہی کسی خاص ٹھکانے پر زیادہ دن رہتا ہے۔

■

**Nazima Parween**
2793, Pahari Bhojla
Delhi- 110006, nazimasahafi@gmail.com

محمد سرفراز تنور

# ٹپکتی بوندیں

**عدنان** ساتویں جماعت کا طالب علم تھا، مگر اس کا دھیان پڑھائی میں بالکل نہیں لگتا تھا۔ وہ جماعت میں موجود ہو کر بھی دماغی طور پر غائب رہتا تھا۔ استاد اسے روزانہ سمجھاتے، نصیحت کرتے، مگر وہ ایک کان سے سنتا اور دوسرے سے نکال دیتا۔ استاد کبھی نرمی سے، کبھی سختی سے، ہر ممکن طریقے سے اسے صحیح راستے پر لانے کی کوشش کر چکے تھے، مگر استاد کی کوئی نصیحت بھی کارگر ثابت نہیں ہوئی۔ روزانہ کی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ بھی بے اثر تھی۔ والدین سے بھی شکایت کی گئی، لیکن عدنان کی بے فکری جوں کی توں برقرار رہی۔

عدنان کی ایک عجیب عادت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتا تھا۔ اسکول میں ہو یا گھر پر، حتیٰ کہ حمام خانے میں بھی، اسے دیوار کا سہارا لینے کی عادت تھی۔ یہ ایک غیر شعوری حرکت تھی، مگر اب یہ اس کی فطرت کا حصہ بن چکی تھی۔ اس کی اس عادت نے اسے دوسروں کا غلام بنا دیا تھا۔

ایک دن اسکول سے واپسی پر، حسبِ معمول اس نے جوتے اتارے، بستہ میز پر رکھا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی ویرانی تھی، جیسے وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو۔ وہ اکثر حمام خانے کی چھت پر رکھی پانی کی ٹنکی کے سوراخ سے ٹپکنے والی بوندوں کو دیکھتا رہتا، مگر آج اس کی نظر ایک اور منظر پر جا ٹکی۔

اس نے فرش پر اس جگہ کو دیکھا جہاں پانی کی بوند مسلسل گر رہی تھی۔ وہ بے دھیانی میں ٹک ٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگا۔ چند لمحے بعد، ایک حیران کن حقیقت نے اسے چونکا دیا۔ اس نے غور کیا کہ پانی کی نرم اور کمزور بوندیں، جو دیکھنے میں کچھ بھی نہیں لگتی تھیں، مسلسل گرنے کی وجہ سے سخت فرش میں ایک چھوٹا سا گڑھا بنا چکی تھیں۔ اس واقعہ نے عدنان کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

یہ منظر دیکھ کر عدنان کے ذہن میں ایک بجلی سی کوندی۔ اس کے دل میں ایک نئی سوچ نے جنم لیا۔ اس نے خود سے سوال کیا، ”اگر نرم پانی کی مسلسل بوند سخت فرش میں گڑھا ڈال سکتی ہے، تو کیا میں مسلسل محنت سے علم حاصل نہیں کر سکتا؟ اگر میں بھی لگاتار مشق کروں، تو کیا میں کامیاب نہیں ہو سکتا؟“ اس لمحے جیسے اس کے شعور کا دروازہ کھل گیا۔

اچانک اس کے دل میں عزم اور حوصلے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ اپنی تعلیم پر دھیان دے گا۔ وہ اپنی ناکامیوں کو پسِ پشت ڈال کر ایک نئے

سفر کا آغاز کرے گا۔ اس کا دل روشنی سے بھر گیا، اس کی آنکھیں چمک اٹھیں، اس نے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرلیا تھا۔

اگلے دن جب وہ اسکول گیا تو منظر بالکل مختلف تھا۔ وہ جو ہمیشہ غیر حاضر دماغی کا شکار رہتا تھا، اب پوری توجہ کے ساتھ استاد کی باتیں سن رہا تھا۔ استاد نے سبق سمجھایا، تو وہ غور سے سنتا رہا اور سبق کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ جب سوال پوچھے گئے، تو عدنان نے سب سے پہلے جواب دیا۔

استاد حیران رہ گئے۔ یہ وہی عدنان تھا جو کل تک پڑھائی سے بھاگتا تھا، جو کبھی سنجیدہ نہیں ہوتا تھا، جسے سمجھانا بیکار لگتا تھا۔ مگر آج، وہ سراپا توجہ بنا بیٹھا تھا۔ استاد نے پوچھا، ''عدنان! یہ کرشمہ کیسے ہوگیا؟ آج تو تم نے سبق بھی غور سے سنا اور سوال کا سب سے پہلے جواب بھی دیا۔''

عدنان نے سر جھکا کر کہا، ''استاد محترم! میں غلط تھا۔ میں نے اپنا وقت ضائع کیا۔ لیکن اب میں نے سیکھ لیا ہے کہ مسلسل محنت ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ دل لگا کر پڑھوں گا۔''

استاد کی آنکھوں میں خوشی جھلکنے لگی۔ وہ مسکرا کر بولے، ''دیر آید، درست آید! جب جاگو تب سویرا! انسان جب اپنی غلطیوں کو پہچان لے، تو وہ پہلے سے بہتر زندگی گزار سکتا ہے۔'' استاد نے شفقت سے عدنان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

اس لمحے، عدنان کو محسوس ہوا کہ اس کی زندگی نے ایک نیا موڑ لے لیا ہے۔ اس دن کے بعد، اس نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ دل لگا کر پڑھنے لگا۔ جہاں پہلے استاد کی ڈانٹ سننے کو ملتی تھی، وہاں اب ستائش ہونے لگی۔ وہ کلاس میں نمایاں ہونے لگا، سوالوں کے جواب دینے لگا، اور اس کی محنت کے نتیجے میں اس کے نمبر بہتر ہونے لگے۔

مہینے گزر گئے اور عدنان کا شمار اب جماعت کے محنتی طلبہ میں ہونے لگا۔ جو استاد کبھی اس سے مایوس تھے، آج وہی اس کی مثالیں دینے لگے۔ والدین جو پہلے پریشان رہتے تھے، اب فخر محسوس کرتے تھے۔

سال کے اختتام پر جب امتحانات کے نتائج کا اعلان ہوا، تو عدنان کی کامیابی نے سب کو حیران کر دیا۔ وہ جسے پڑھائی میں کوئی دلچسپی نہ تھی، آج بہترین نمبروں سے پاس ہو چکا تھا۔

یہ سب اس ایک لمحے کی بدولت ہوا، جب اس نے پانی کی بوندوں کو گرتے دیکھا اور اس سے سبق حاصل کیا۔

''واقعی، کبھی کبھار زندگی کے عام سے مناظر بھی انسان کی سوچ بدل سکتے ہیں اور اسے کامیابی کی راہ پر ڈال سکتے ہیں۔''

اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ''انسان دل میں یہ اِرادہ کرلے کہ مجھے یہ چیز حاصل کرنا ہے اور اس کی حصولیابی کی خاطر وہ کوشش اور جدوجہد جاری کردے تو وہ اسے مل ہی جاتی ہے۔''

■

**Mohammad Sarfraz Abdul Ghaffar**
Muktai Nagar Road, Shivaji Nagar
Manohar Niwas Ke Samne
At. Post: Taluqa: Malkapur
Distt.: Buldhana- 443101(Maharashtra)
sarfraztawar777@gmail.com

عطاء الرحمن

# ہمت نہ ہارنا

**چڑیا** درخت پر بیٹھی تھی۔ بارش سے بچنے کے لیے اس نے پتوں کے اندر ایک شاخ پر بسیرا کیا تھا۔ شام ڈھل رہی تھی اور چڑیا کا گھونسلہ کافی دور ایک درخت پر تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اپنے گھونسلے تک کیسے پہنچے، جہاں اس کے ننھے ننھے بچے بھوک سے بے تاب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے رہ رہ کر اپنے بچوں کا خیال آ رہا تھا۔ وہ انتظار میں تھی کہ کب بارش رکے اور وہ اپنا پکڑا ہوا شکار لے کر اپنے گھر روانہ ہو۔ لیکن یہ کیا؟ بارش رکنے کے بجائے اور تیز ہو رہی تھی۔

آخر کار چڑیا نے سوچا کہ یہاں بیٹھنے سے تو کوئی کام نہیں بنے گا تو کیوں نہ بارش میں نکلنے کی کوشش کی جائے۔ اس نے ہمت باندھی اور اپنی منزل کی جانب اڑنے لگی۔ اس موسلا دھار بارش میں اڑتے ہوئے اس کا بدن اکڑ گیا تھا مگر اس نے ہار نہ مانی اور اس کی ممتا بھی اسے ہار ماننے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ سو وہ شکار چونچ میں دبائے اڑی چلی جا رہی تھی۔

اچانک نہ جانے اس کو کیا ہوا، اس کو لگنے لگا کہ وہ اپنے بچوں سے شاید کبھی مل نہیں پائے گی۔ اس میں اب اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ کچھ دیر اور اس زوردار بارش میں اڑ سکے۔ چڑیا نے نیچے دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ قدرت کے طریقے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں۔

اس نے جب زمین کی جانب دیکھا تو وہاں کئی گھنے درخت تھے۔ وہاں وہ کچھ دیر بیٹھ کر سستا سکتی تھی۔ چنانچہ وہ ایک درخت کی شاخ پر جا بیٹھی۔ گھنے درختوں میں کچھ حد تک گرمی تھی جو اس کے اکڑے بدن کو دوبارہ اڑنے کے قابل بنا سکتی تھی۔ اب بارش بھی کم ہو چکی تھی۔ اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا لیکن جب وہ اڑنے ہی والی تھی تو شکار

اس کی چونچ سے گر پڑا اور نیچے اندھیرے میں کہیں جا کر گرا۔ وہ بہت پچھتائی مگر اس کو اپنی ہی لاپروائی جانا۔

وہ اداس ہوگئی تھی کہ اب وہ اپنے بچوں کے لیے کیا لے کر جائے گی۔ اس نے سوچا جو ہوا، اس میں اوپر والے کی مصلحت ہوگی۔ چڑیا اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہوگئی۔ راستے میں اس نے کچھ کھانے کے لیے بہت تلاش کیا مگر بے سود۔ آخر کار وہ اپنی آنکھوں میں آنسو لیے سوچنے لگی کہ اگر آج وہ اپنے بچوں کا دیدار نہ کر پائی تو؟ اب تو بس اسے یہی پریشانی لاحق تھی۔ وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ بارش دوبارہ برسنے لگی مگر اب اس کا گھونسلہ بہت قریب تھا۔ وہ گھر گئی تو یہ دیکھ کر اس کا دل کٹ کر رہ گیا کہ اس کے معصوم بچے گھونسلے میں ایک جانب نڈھال پڑے ہیں۔ اس نے حوصلہ کیا اور بچوں کے پاس جا کر ان کو اپنی داستان بیان کی۔

ایک بچے نے پوچھا ”اب ہم کھانا نہیں کھا پائیں گے؟“ بچے کے اس سوال سے چڑیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

وہ کہنے لگی ”بیٹا ہمیں ہر وقت وہ چیز نہیں مل سکتی جس کی ہم خواہش رکھتے ہیں۔“ کبھی کبھار اللہ تعالیٰ آپ کا امتحان لیتا ہے، صبر کا امتحان۔ اگر ہم اس امتحان میں کامیاب نہ ہو سکیں تو اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہ ہوگا۔ اگر ہم اس کی آزمائش پر پورا اتریں تو وہ ہمیں ثواب کے ساتھ ساتھ انعام و اکرام سے بھی نوازتا ہے۔ اگر ہمیں آج دانہ نہیں ملا تو ہو سکتا ہے کہ اس نے ہمارے لیے بہت ہی خاص کھانے کا انتظام کر رکھا ہو۔ اس لیے ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں نا ”صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے“ بات ختم کر کے اس نے باہر کی جانب دیکھا تو یہ کیا! بارش رک چکی تھی۔ بادل چھٹ چکے تھے اور موسم سہانا تھا۔ وہ پھر سے اڑ کر باہر چلی گئی۔

چودہویں کا چاند جوبن پر تھا اس لیے چڑیا کو دانہ اور پھل ڈھونڈنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اس نے بارش کی وجہ سے گر جانے والے پھل وغیرہ اپنی چونچ میں اٹھائے اور گھونسلے میں لے آئی۔ وہ یکے بعد دیگرے کئی چھوٹے موٹے پھل اٹھا لائی۔ اس نے اپنے رب کا شکر ادا کیا اور بچوں کے ساتھ مل کر خوب پیٹ بھر کھانا کھایا۔ اس نے سوچا ”واقعی پروردگار ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔“

■

**Ataur Rahman**
ADB Chowk , Near Masjid
Araria, Pin : 854311
Mob.: 6200464792
arahmanqtd21@gmail.com

# نئی راہ کی تلاش

فیضان حیدر

**رحمت آباد** ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جو شہروں کی چمک دمک سے دور، قدرتی خوبصورتی اور سادگی کا مسکن تھا۔ وہاں ایک ہونہار اور باصلاحیت لڑکا علی رہتا تھا۔ وہ ایک کسان کے گھر پیدا ہوا تھا، مگر اس کے خواب بہت بڑے تھے۔ وہ ہمیشہ کہتا:

”میں صرف کھیتوں کی مٹی تک محدود نہیں رہوں گا، بلکہ ایک دن سفید کوٹ پہن کر انسانوں کا علاج کروں گا۔“

علی کے والد بابا حیدر، سادہ دل کسان تھے، وہ ہمیشہ بیٹے کی حوصلہ افزائی کرتے، اور کہتے:

”بیٹا! تم اگر آسمان چھونا چاہتے ہو تو کڑی محنت کرو۔ انسان اپنا مقصد ضرور حاصل کر لیتا ہے اگر اس کے اندر محنت اور لگن کا جذبہ موجود ہو۔“

علی کی ماں بشریٰ، سلائی-کڑھائی کا کام کرتی تھی اور ان کا ہر دھاگا، ہر سلائی بیٹے کے خوابوں کی تکمیل کے لیے ہوتا۔ وہ اکثر آدھی رات کو علی کے لیے دودھ گرم کر کے لے جاتی اور جب وہ تھکا ہارا پڑھتے پڑھتے اونگھنے لگتا تو سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتی:

”میرے بچے! رب تیرا خواب پورا کرے۔“

علی نے دسویں جماعت کے امتحانات میں شاندار نمبر حاصل کیے تھے، اور اب اس کی پوری توجہ National Eligibility Cum Entrance Test (NEET) کی تیاری پر تھی۔ وہ صبح سویرے اٹھتا، اپنی کتابیں کھولتا، اور دیر رات تک پڑھتا۔ اس کے کمرے کی دیواروں پر چارٹس اور نوٹس لٹکے ہوئے تھے۔ وہ اپنے آپ سے کہتا:

''بس یہ امتحان پاس کرلوں، پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس کا بہترین دوست زین تھا۔ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ ہنستا کھیلتا اور اسے ہمت دیتا تھا۔ زین خود انجینئر بننا چاہتا تھا، اور دونوں دوست ایک دوسرے کے خوابوں کو سہارا دیتے تھے۔

دو سال کی سخت محنت کے بعد علی NEET کے امتحان کے لیے تیار تھا۔ اس نے دن رات ایک کر دیے تھے۔ امتحان کا دن آیا تو وہ پر جوش لیکن تھوڑا گھبرایا ہوا تھا۔ امتحان دینے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ اس نے بھرپور کوشش کی ہے اور اس کی بدولت اس کو امتحان میں کامیابی نصیب ہوگی۔ لیکن جب نتیجہ آیا، تو علی کا دل ٹوٹ گیا۔ اس کے نمبر اتنے اچھے نہیں تھے کہ وہ کسی سرکاری میڈیکل کالج میں داخلہ لے سکے۔

علی کے لیے یہ بہت بڑا جھٹکا تھا۔ اس ناکامی نے اسے گوشہ نشیں بنا دیا۔ جب وہ لوگوں کے بیچ بیٹھتا تو اسے شرمندگی محسوس ہوتی۔ چنانچہ اس نے کتابوں کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا۔ اسے لگتا تھا کہ اس نے سماج میں اپنے والدین اور خود کو شرمندہ کیا ہے۔ وہ سوچتا، ''میں نے اتنی محنت کی، پھر بھی ناکام ہو گیا۔ شاید میں کبھی ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔'' اس کی آنکھوں سے چمک غائب ہوگئی اور بجھا بجھا سا رہنے لگا۔ اس کی ماں بشریٰ، اسے دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ وہ اس سے بار بار پوچھتی، ''بیٹا، کیا بات ہے؟ ہم سے بتاؤ۔'' لیکن علی بس سر جھکائے چپ رہتا۔

ایک رات، جب گاؤں میں بجلی چلی گئی اور آسمان پر تاروں کی چادر بچھی تھی، زین، علی کے گھر آیا۔ وہ اسے زبردستی گھر سے باہر لے گیا اور کھیتوں کی طرف چل پڑا۔

وہ دونوں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بیٹھ گئے، جہاں وہ بچپن میں کھیلا کرتے تھے۔ زین نے کہا، ''علی، تو کیوں بجھا بجھا سا رہتا ہے؟ ایک امتحان نے تیری ہمت توڑ دی؟ وہ علی نہیں تھا جو ہر مشکل سے لڑ سکتا تھا۔''

علی نے ایک گہری سانس لی اور کہا، ''زین، میں نے دو سال تک دن رات محنت کی۔ پھر بھی ناکام ہو گیا۔ اب کیا کروں؟ سب کو کیا منھ دکھاؤں؟''

زین نے ہنس کر کہا، ''علی، تو جانتا ہے، میرا ایک کزن ہے جو پانچ بار JEE میں ناکام ہوا۔ لیکن اس نے ہار نہیں مانی۔ اس نے پھر ایک نئی راہ چنی۔ آج وہ ایک کامیاب ڈیٹا سائنٹسٹ ہے، اور ہر ماہ لاکھوں کماتا ہے۔ ناکامی کوئی مکمل کہانی نہیں، بس ایک باب ہے۔''

زین کے الفاظ علی کے دل میں اتر گئے۔ اس رات، جب وہ گھر واپس آیا، اس نے اپنی ماں سے دل کی بات کہی۔ اس نے بتایا کہ اسے لگتا ہے کہ وہ اپنے خواب کو پورا نہیں کر سکا۔ بشریٰ نے اسے گلے لگایا اور کہا، ''بیٹا، ڈاکٹر بننا تیرا خواب تھا، لیکن زندگی صرف ایک خواب تک محدود نہیں۔ تو جو بھی کرے گا، ہم تیرے ساتھ ہیں۔ بس ہمت نہ ہار۔''

اگلے دن، علی نے اپنے والد سے بات کی۔ اس کے والد نے ایک پرانی کہانی سنائی۔ انھوں نے بتایا کہ کس طرح ایک مشہور سائنس داں تھامس ایڈیسن ہزاروں بار ناکام ہوا تھا، لیکن اس نے ہر ناکامی سے سیکھا۔ ''بیٹا،'' انھوں نے کہا، ''زندگی ایک سفر ہے۔ ایک راستہ بند ہوتا ہے تو دوسرا کھلتا ہے۔ تم اپنے آپ کو دوبارہ تلاش کرو۔''

علی نے سوچا کہ وہ اب کیا کرے۔ اس نے اپنے

اسکول کے ایک استاد، پروفیسر لیاقت علی سے ملاقات کی۔ پروفیسر لیاقت علی نے اسے بتایا کہ میڈیکل کے علاوہ بھی کئی شعبے ہیں جہاں وہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر سکتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ بائیوٹیکنالوجی، فارمیسی اور ایگریکلچر جیسے شعبوں میں بھی بہت مواقع ہیں۔ پروفیسر نے اسے ایک کتاب دی، جس میں مختلف کیریئر کے اختیارات کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی تھی۔

علی نے اس کتاب کو پڑھا اور اسے احساس ہوا کہ اس کی دلچسپی نہ صرف سائنس میں ہے، بلکہ وہ فطرت اور ماحولیات سے بھی بہت شغف رکھتا ہے۔ اسے یاد آیا کہ وہ بچپن میں اپنے والد کے ساتھ کھیتوں میں کام کرتے ہوئے پودوں اور مٹی کے بارے میں سوالات پوچھا کرتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ایگریکلچر سائنس میں کیریئر بنائے گا۔ اس نے ایک مشہور ایگریکلچر یونیورسٹی میں داخلے کے لیے درخواست دی اور تیاری شروع کر دی۔

اس بار، علی نے اپنی تیاری مختلف انداز میں کی۔ وہ نہ صرف پڑھتا، بلکہ اپنے گاؤں کے کسانوں سے ملتا اور ان سے زراعت کے جدید طریقوں کے بارے میں سیکھتا۔ اس نے ایک مقامی این جی او کے ساتھ رضا کارانہ طور پر کام شروع کیا، جہاں وہ کسانوں کو نامیاتی کھیتی کے فوائد بتاتا تھا۔ اس کام نے اسے ایک نیا مقصد دیا۔ وہ اب صرف امتحان پاس کرنے کے لیے نہیں پڑھ رہا تھا، بلکہ وہ اپنے گاؤں کی بہتری کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔

ایک سال بعد، علی نے ایگریکلچر یونیورسٹی کے انٹرنس ٹسٹ میں حصہ لیا اور اس بار وہ کامیاب ہو گیا۔ جب اسے داخلے کا خط ملا، تو اس کے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کی ماں نے مٹھائی بنائی اور زین نے اپنی ماں کو زور سے گلے لگایا۔ علی نے محسوس کیا کہ یہ کامیابی اس کی ناکامی سے زیادہ قیمتی تھی، کیونکہ اس نے اسے اپنے آپ کو دوبارہ دریافت کرنے کا موقع دیا۔

یونیورسٹی میں، علی نے نہ صرف زراعت کے جدید طریقوں کے بارے میں سیکھا، بلکہ اس نے ایک چھوٹا سا پروجیکٹ شروع کیا جس میں اس نے اپنے گاؤں کے کسانوں کو کم پانی میں زیادہ پیداوار دینے والی فصلوں کے بارے میں بتایا۔ اس کا پروجیکٹ اتنا کامیاب ہوا کہ مقامی اخبار نے اس کی کہانی شائع کی۔ علی اب نہ صرف ایک طالب علم تھا، بلکہ اپنے گاؤں کے لیے ہیرو بن گیا تھا۔

علی کی کہانی ہر اس بچے کے لیے سبق ہے جو ناکامی سے ڈرتا ہے۔ زندگی امتحان نہیں بلکہ سفر ہے۔ ناکامی اس سفر کا حصہ ہے، لیکن وہ ہماری منزل نہیں۔ جب ایک دروازہ بند ہوتا ہے، تو دوسرا کھل جاتا ہے۔ بس ہمیں ہمت، صبر اور خود پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ ہمیں خود سے بات کرنا چاہیے، اپنے خوابوں کو دوبارہ دریافت کرنا چاہیے، اور نئی راہوں پر چلنا چاہیے۔ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

■

**Dr. Faizan Haider**
Asst. Prof., Dept. of Urdu &Persian
C.M. College, Quila Ghat
Darbhanga -846004 (Bihar)
Mob.:7388886628,
E-mail:faizanhaider40@gmail.com

# دنیا کا سب سے بڑا اور بدبودار پھول

شیخ تقدیس فاطمہ شیخ گلاب

**پھولوں** کی دنیا حیرت انگیز عجائبات سے بھری پڑی ہے۔کہیں رنگ برنگے پھول اپنی خوشبو بکھیرتے نظر آتے ہیں،تو کہیں معصوم دکھائی دینے والے پھول،چھوٹے جانداروں کو چٹ کر جاتے ہیں۔انھی عجائبات میں ایک ایسا پھول بھی شامل ہے جو اپنی غیر معمولی جسامت اور ناگوار بدبو کے لیے مشہور ہے۔اس پھول کا نام 'رفلیشیا' ہے جو اپنی منفرد خصوصیات کی بدولت آج بھی سائنسدانوں اور ماہرینِ نباتات کے لیے ایک معمہ بنا ہوا ہے۔

رفلیشیا کی سب سے نمایاں پہچان اس کی جسامت ہے۔اسے باضابطہ طور پر دنیا کا 'سب سے بڑا کھلنے والا پھول' تسلیم کیا جاتا ہے۔اس کا قطر ایک میٹر (3 فٹ) سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے۔رفلیشیا کا وزن حیرت انگیز طور پر تقریباً 11 کلوگرام تک پہنچ سکتا ہے۔اپنی جسامت کی وجہ سے رفلیشیا کو 'دیوہیکل پھول' بھی کہا جاتا ہے۔رفلیشیا ایک پھول دینے والا پودا ہے لیکن آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ دیگر عام پھولدار پودوں کی طرح اس میں نہ بیج ہوتے ہیں، نہ پتے، نہ ہی کوئی تنا یا جڑیں۔یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد پودا ہے جو ایک طفیلیے (Parasite) کے طور پر میزبان پودے کے اندر ہی اپنی پوری زندگی گزار دیتا ہے اور صرف پھول کی شکل میں باہر کی دنیا میں اپنی موجودگی درج کراتا ہے۔

رفلیشیا کی ایک انوکھی خصوصیت اس کی ناگوار اور تعفن آمیز بدبو ہے۔اس پھول سے سڑے ہوئے گوشت یا بعض اوقات مردہ جانور جیسی انتہائی شدید اور ناگوار بدبو

آتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے 'لاش کا پھول' (Corpse Flower) بھی کہا جاتا ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ قدرت نے اسے یہ ناگوار خصوصیت کیوں دی؟ دراصل، یہ بدبو رفلیشیا کی بقا کے لیے انتہائی اہم ہے۔ یہ بدبو مخصوص مکھیوں، خاص طور پر بلیو باٹل فلائیز (Bluebottle Flies)، کو اپنی طرف کھینچتی ہے جو عام طور پر سڑے ہوئے مادے کی طرف راغب ہوتی ہیں۔ یہ مکھیاں رفلیشیا کے اندر داخل ہوتی ہیں، اس کے تولیدی حصوں سے زرِگل (Pollen) لیتی ہیں اور پھر اسے دوسرے پھولوں تک منتقل کر کے زیرگی (Pollination) میں مدد کرتی ہیں اور اس طرح رفلیشیا کی افزائش نسل کا سبب بنتی ہیں۔ رفلیشیا کا پھول کئی مہینوں میں ایک دفعہ ہی کھلتا ہے اور کھلنے کے بعد صرف چند دنوں، عام طور پر ایک ہفتے سے بھی کم عرصہ تک ہی کھلا رہتا ہے۔ اس کی مختصر مگر متاثر کن زندگی اسے اور بھی نایاب بناتی ہے۔

رفلیشیا خاص طور پر جنوب مشرقی ایشیا کے گھنے اور مرطوب برساتی جنگلات میں پایا جاتا ہے، جن میں انڈونیشیا (خصوصاً سماترا اور بورنیو کے جزائر)، ملیشیا، تھائی لینڈ اور فلپائن کے کچھ علاقے شامل ہیں۔ یہ علاقہ رفلیشیا کی بقا کے لیے سازگار ماحولیاتی حالات فراہم کرتا ہے۔ اس کی زندگی کا انحصار Tetrastigma نامی انگور کی بیل پر ہوتا ہے۔ رفلیشیا اپنی تمام زندگی اس بیل کی جڑوں اور تنوں کے اندر ایک چھوٹے بیج کی طرح چھپا رہتا ہے۔ جب اس کے کھلنے کا وقت آتا ہے تو اس کی کلیاں (Buds)

بیل سے باہر نکلنا شروع کرتی ہیں اور کئی ہفتوں بعد ایک بڑے پھول میں تبدیل ہو جاتی ہیں جو بالآخر ایک شاندار (اگرچہ بدبودار) پھول کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔اس کا کھلنا ایک نایاب منظر ہوتا ہے اور جنگل میں اس پھول کو ڈھونڈنا ایک مشکل کام ہے۔

طفیلیہ ہونے کے باوجود، رفلیشیا اپنے ماحولیاتی نظام میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔اس کا وجود جنگلات کے حیاتیاتی تنوع اور اس کی پیچیدگی کی ایک عمدہ مثال ہے۔ زیرگی میں مکھیوں کا کردار اس کی بقا کے لیے انتہائی ضروری ہے اور اس سے جنگلات کے ماحولیاتی توازن کو برقرار رکھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔رفلیشیا، دوسرے طفیلیے پودوں کے رویے اور ماحولیاتی نظام میں ان کے کردار کو سمجھنے کے لیے سائنسدانوں کے لیے ایک ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے نایاب ہونے کے باعث اس کی ماحولیاتی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ ایک ایسے حساس ماحولیاتی نظام کا حصہ ہے جس کے تحفظ کی سخت ضرورت ہے۔

بدقسمتی سے، رفلیشیا اپنی بقا کے لیے شدید خطرات کا سامنا کر رہا ہے۔سب سے بڑا خطرہ جنگلات کی کٹائی اور اس کے قدرتی مسکن کی تباہی ہے۔جنوب مشرقی ایشیا کے بارانی جنگلات، جو رفلیشیا کا گھر ہیں، انسانی سرگرمیوں جیسے زراعت، درختوں کی کٹائی اور شہری توسیع کے باعث تیزی سے سکڑتے جا رہے ہیں۔اس کے علاوہ، رفلیشیا کی غیر قانونی تجارت اور اس کی کمیابی کی وجہ سے زیادہ لوگوں کی اسے دیکھنے کی خواہش بھی اس کے مسکن پر دباؤ ڈالتی ہے۔ان خطرات کے باعث، انٹرنیشنل یونین فار کنزرویشن آف نیچر کی جانب سے رفلیشیا کی کئی اقسام کو 'خطرے سے دوچار' (endangered) قرار دیا گیا ہے۔

رفلیشیا واقعی قدرت کا ایک عجیب اور حیران کن نباتاتی کرشمہ ہے۔اس کی دیوہیکل جسامت، ناگوار بدبو اور طفیلیے کے طور پر زندگی گزارنے کا منفرد انداز اسے پودوں کی دنیا کا ایک پراسرار اور دلچسپ کردار بناتا ہے۔ یہ نباتاتی دنیا کے وسیع تنوع کی ایک عمدہ مثال ہے۔ انسانوں کی ماحول مخالف سرگرمیوں کی وجہ سے رفلیشیا کی کئی اقسام کے ختم ہونے کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ایسے نایاب اور منفرد پودوں کا تحفظ ہماری اجتماعی ذمے داری ہے تاکہ فطرت کے یہ عجوبے معدوم نہ ہو اور آنے والی نسلیں بھی ان کے بارے میں جان سکیں۔

صرف رفلیشیا ہی نہیں، دنیا بھر میں جانوروں اور نباتات کی ہزاروں نایاب اقسام معدومیت کے خطرے سے دوچار ہیں جن کے تحفظ کے لیے حکومتیں اور مختلف تنظیمیں سرگرم ہیں۔ان کی سرگرمیوں میں جنگلات کا تحفظ، مقامی آبادی میں شعور پیدا کرنا اور پودوں کی افزائش نسل کے پروگرام شامل ہیں۔اس سلسلے میں نوجوانوں میں بیداری لانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ وہ ان جانداروں اور ان کے ماحولیاتی نظام کی اہمیت کو سمجھیں اور ان کے تحفظ میں فعال کردار ادا کریں۔ آپ کا کیا خیال ہے، اس طرح کے نایاب پودوں کے تحفظ کے لیے ہم مزید کیا اقدامات کر سکتے ہیں؟

■

**Shaikh Taqdees Fatema Shaikh Gulab**
Aqsa Nagar, Mehrun
Jalgaon - 425001 (Maharashtra)
Mob.: 9156842116
taqdeesshaikh96@gmail.com

جاوید احمد سعیدی کامٹوی

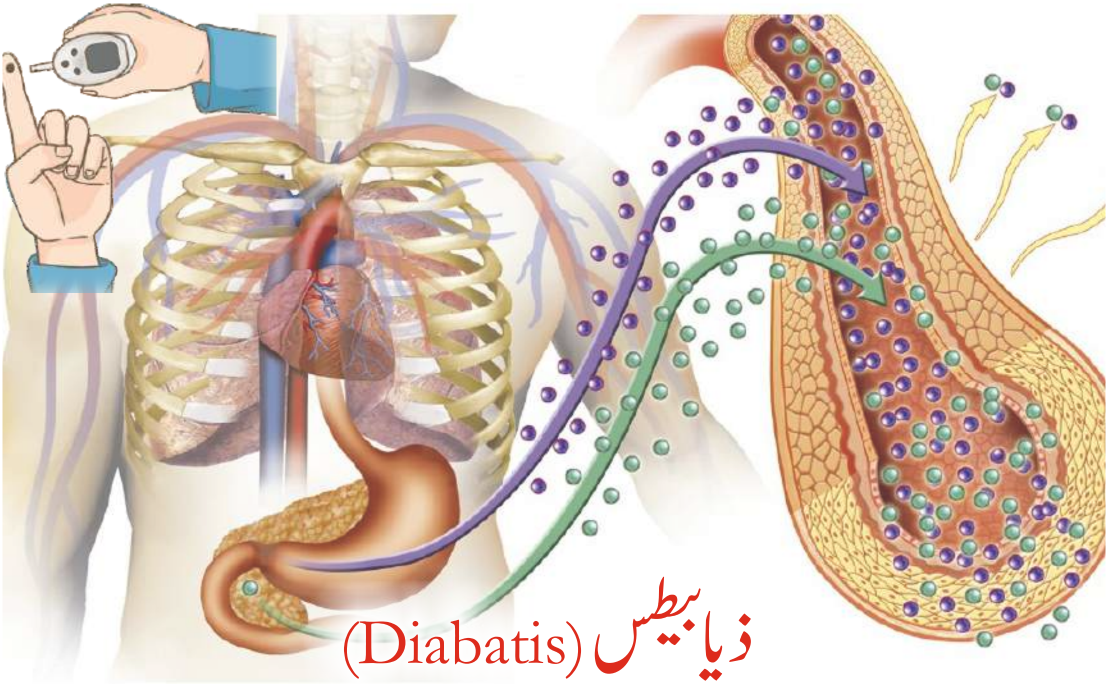

# ذیابیطس (Diabatis)

**ذیابیطس** (Diabatis) جسے عام طور پر شوگر کی بیماری کہا جاتا ہے۔ کسی زمانے میں شوگر کو صرف بڑے لوگوں کی بیماری سمجھا جاتا تھا یعنی ایک فارغ البال اور مالی اعتبار سے آسودہ شخص ہی اس کا شکار ہوتا تھا۔ مگر جدید زمانے میں یہ تخصیص نہیں رہی۔ ایک جائزے کے مطابق آبادی کا 70% حصہ ذیابیطس میں مبتلا نظر آتا ہے۔ پہلے عمر رسیدہ افراد ہی اس کا شکار ہوتے تھے مگر اب نوجوان اور بچے بھی اس کی زد میں آرہے ہیں۔ یہ بیماری اتنی عام ہوگئی ہے کہ ہر سال 14 نومبر کو ساری دنیا میں بطور یوم ذیابیطس کے منایا جاتا ہے۔

ہمارے جسم میں معدہ کے قریب لبلبہ نام کا ایک عضو پایا جاتا ہے جس کے ذمے انسولین نام کے افراز (ہارمون) پیدا کرنا ہوتا ہے۔ لبلبے میں بیٹا Beta خلیات پیدا ہوتے ہیں۔ لبلبہ یا اس کا تھوڑا حصہ کسی زخم یا بیماری کی بدولت یا کبر سنی میں متاثر ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اس لیے انسولین کم مقدار میں پیدا ہوتی ہے۔ انسولین کی مقدار میں اضافہ کرنے والی بھی کچھ دوائیں ہوتی ہیں مگر یہ قدرتی طور پر پیدا ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ ہمارا جسم جن غذائی اجزا کا استعمال کرتا ہے اس کے انہضام کے بعد شکری مادہ پیدا ہوتا ہے جو گلوکوز کی شکل میں ہوتا ہے۔ انسولین، گلوکوز کو توڑ کر توانائی میں تبدیل کرتا ہے۔ اور یہ توانائی جسم کے ایک ایک خلیے کو پہنچائی جاتی ہے۔ اگر یہ عمل نہ ہو یعنی انسولین کی مناسب مقدار جسم میں نہ بنے تو یہ شکر جوں کی توں رہتی ہے اور خون میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ اس زائد شکر سے جسم کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس شکایت کو ذیابیطس کہتے ہیں۔

ذیابیطس ایک بہت پرانا روگ ہے۔ اس کا تذکرہ مصر و یونان اور ہند و عرب کی تہذیب میں بھی ملتا ہے۔ یہ

عجیب بات ہے کہ بہت سے لوگ اس بیماری سے بے خبر رہتے ہیں اور کسی معالجے کے دوران ہی پتہ چلتا ہے کہ زیرِ معالجہ شخص کو شوگر کی بیماری ہے۔ یہ بیماری عالمی طور پر پائی جاتی ہے پہلے سمجھا جاتا تھا کہ ذیابیطس متمول افراد کی بیماری ہے مگر اب خاص و عام اس سے متاثر ہو رہا ہے خاص طور پر جو ممالک آسودہ حال ہیں وہاں اس کا تناسب زیادہ ہے۔ ہر سال 14 نومبر کو بطور یوم ذیابیطس منایا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیماری عام ہو گئی ہے۔ پہلے عمر رسیدہ افراد اس کا شکار ہوتے تھے مگر اب یہ تخصیص نہیں رہ گئی ہے۔ کم عمر کے نوجوان اور بچے بھی اس کی زد میں آ رہے ہیں۔

ذیابیطس کی دو قسمیں ہیں۔ نوعمری میں یا قدرتی طور پر لبلبہ متاثر ہو جاتا ہے جس سے مناسب مقدار میں انسولین پیدا نہیں ہوتی۔ اسے ٹائپ ون کہا جاتا ہے۔ ٹائپ ٹو والی ذیابیطس کی شکایت درازیٔ عمر کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جسم میں اتنا انسولین پیدا نہیں ہوتا جو گلوکوز کی ساری مقدار کو توانائی میں تبدیل کر دے اس لیے خون میں گلوکوز کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور آگے چل کر یہ پیشاب میں بھی شامل ہو جاتی ہے۔ انسولین ہمارے جسم میں اس طرح کام کرتی ہے۔

اولاً تو یہ شکر (گلوگوز) کی سطح کو کم کرتی ہے اور اسے گودام میں جمع کرتی رہتی ہے۔ یہ گودام انسانی جگر اور چربی و چکنائی والے خلیات ہیں۔ اس لیے زائد چربی کا جلنا ضروری ہے۔ ذیابیطس سے متاثرہ افراد میں ایسا نہیں ہوتا۔ ذیابیطس کی علامات حسب ذیل ہیں:

(1) بھوک میں اضافہ (2) بار بار پیشاب کا آنا (3) پیاس میں اضافہ (4) وزن میں کمی (5) دن بھر اضمحلال یا تھکن اور نقاہت کا احساس (6) جسم میں سستی (7) پسینہ کی زیادتی (8) زخم مندمل ہونے میں دیری (9) چڑ چڑا پن، یاس اور ناامیدی (10) بار بار انفیکشن کا ہونا۔

ذیابیطس کے نتیجے میں جسم میں سستی پیدا ہوتی ہے وزن میں کمی، نقاہت اور گھبراہٹ، پسینہ زیادہ نکلتا ہے، پیاس کی شدت ہوتی ہے اس لیے پیشاب بار بار آتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی لوگوں میں الگ الگ علامات دیکھی جاسکتی ہیں۔ جیسے کسی کی آنکھ میں شکایت ہوتی ہے۔ جسم کے حصوں میں خاص طور پر پیروں میں کھجلی ہوتی ہے۔ مگر صرف پیشاب کی زیادتی کی بنا پر کسی شخص کو شوگر ہے ایسا نہیں کہا جا سکتا جیسے حاملہ خواتین میں بھی پیشاب کی زیادتی کی شکایت دیکھی جاتی ہے۔

ایک طبی رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں سن 2011 میں 5 کروڑ سے زیادہ ذیابیطس کے مریض تھے اور سن 2012 میں یہ تعداد 6 کروڑ پر پہنچ گئی۔ یعنی یہاں اس سے متاثرہ افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے تقریباً آبادی کا 9.2 حصہ۔ چین کے بعد بھارت شوگر کے معاملے میں دوسرے نمبر پر ہے۔ ہمارے ملک میں 2011 میں 23.19 کھ لوگ ذیابیطیس سے مرے اور سن 2025 تک یہ تعداد 699 ملین ہو جائے گی۔ شہریوں میں اس بیماری کی شرح 11 فی صد اور دیہی علاقوں میں 3 فی صد ہے۔ پہلے یہ تصور تھا کہ ایک پختہ عمر کو پہنچنے کے بعد یہ بیماری ہوتی ہے مگر اب بچوں میں بھی اسے دیکھا گیا ہے۔ عموماً بچوں میں اس بیماری کا وجود انسولین کے قدرتی طور پر نہ بننے کے باعث ہوتا ہے جبکہ بڑے لوگوں میں ناکافی مقدار

میں انسولین کی تیاری اس کی ذمے دار ہے جس سے خون میں گلوکوز (شکر) کی مقدار بڑھتی جاتی ہے۔ ایک معالج کا کہنا ہے کہ پہلے ان کے پاس 50 سال سے زائد عمر کے لوگ ذیابیطس کے علاج کے لیے آتے تھے مگر اب یہ کم عمر لوگوں میں بھی دیکھی گئی ہے۔ ذیابیطس کی تین قسمیں ہیں۔ (1) پہلی قسم کی ذیابیطس پیدائشی طور پر بچوں کو لاحق ہوتی ہے جسے عرف عام میں ٹائپ وَن کہا جاتا ہے۔ اس میں لبلبہ کام نہیں کرتا یعنی انسولین پیدا نہیں ہوتی۔ اس کا علاج سوائے انسولین کے ٹیکے لینے کے کچھ اور نہیں۔

(2) ذیابیطس کی یہ شکایت عام طور پر چالیس سے زائد عمر کے لوگوں کو ہوتی ہے یعنی انسولین جسم میں تیار تو ہوتی ہے مگر نا کافی ہوتی ہے جو کہ شکر کی مقدار کو توڑ کر توانائی میں تبدیل کر دے۔ اسے ٹائپ ٹو بھی کہا جاتا ہے۔

(3) ذیابیطس کی تیسری قسم دوران حمل خواتین کو وزن کی زیادتی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ذیابیطس کی جانچ خالی پیٹ اور کھانا کھانے کے بعد (ڈیڑھ تا دو گھنٹے بعد) کی جاسکتی ہے۔ اس کے لیے خون کا نمونہ لیا جاتا ہے۔ آج کل جدید آلات بھی آچکے ہیں جو خون میں شکر کی مقدار کو ظاہر کرتے ہیں۔ ناشتے سے قبل خون میں گلوکوز کی مقدار 70-100 MG/Dl چاہیے جب کہ ناشتہ یا کھانے کے بعد اسے اس طرح ہونا چاہیے۔

| | |
|---|---|
| ایک گھنٹہ بعد | <140 mg/dL |
| دو گھنٹے بعد | <120 mg/dL |

آج کل ایسے آلے بھی نکل گئے ہیں جن کی مدد سے خود مریض اپنے خون میں شکر کی مقدار معلوم کر سکتا ہے۔ اس کے لیے کسی ڈاکٹر پیتھولوجسٹ Pathologist کے پاس جانے کی ضرورت نہیں تاہم ان آلات پر کلی طور پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ خون کے نمونے میں گلوکوز (شکر) کی جانچ ہی ایک مناسب طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی جانچ کے دوسرے طریقے ہیں۔

ذیابیطس کے باعث دوسرے امراض جلدی لاحق ہوتے ہیں اس لیے اس طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ یہ مرض ہو جائے تو ساری عمر کا ساتھ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس بیماری کو کنٹرول کرتے ہوئے جینے کی ضرورت ہے۔ ذیابیطس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے چوکنے رہنے اور خود اعتمادی کی ضرورت ہے تا کہ اسے کنٹرول میں رکھا جاسکے۔ ذیابیطس پر کنٹرول سہ طرفی ہوتا ہے۔

1 عادات میں خصوصاً خوردونوش کی عادت میں یکسر تبدیلی ماہرین تغذیہ Dietician کے مشورے سے۔

2 جسمانی محنت اور ورزش پر زور تا کہ جسم میں چربی بڑھنے نہ پائے۔

3 طبیب کی ہدایات کے تحت دواؤں کا استعمال اور گھر والوں کا ہمدردانہ رویہ۔

بہر حال! ذیابیطس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے ساتھ جینے کا حوصلہ پیدا کر کے اس پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے بہت سی دوائیں بھی آتی ہیں جنھیں ایک مستند طبیب کی ہدایات کی روشنی میں لیا جاسکتا ہے۔

کچھ مغربی ممالک میں ذیابیطس کو ایک بیماری تصور نہیں کیا جاتا بلکہ اسے عادت میں بگاڑ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ذیابیطس کو بیماری سمجھنے والے مریض اپنی کوششوں، احتیاط اور پرہیز سے دستبردار ہو کر پوری طرح

معالج پر انحصار کرنے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دوائیں ان کے لیے کارگر ثابت ہوں گی۔ جبکہ ذیابیطس میں دواؤں کے علاوہ مناسب کسرت اور کھانے کی عادتوں میں احتیاط اور تبدیلی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک ڈائی ٹیشین (ماہر خوراک) اس کا مناسب مشورہ دے سکتا ہے۔ بہر حال جو بھی ہو ذیابیطس عادت کے بگاڑ کے نتیجے میں ہو یا اسے ایک بیماری تصور کیا جائے، مناسب علاج اور ضروری احتیاط سے اس پر کنٹرول رکھا جا سکتا ہے۔ متاثرہ شخص حسب ذیل تدابیر اختیار کرے تو اس بیماری میں فائدہ ہوسکتا ہے۔

1. میٹھی اور چکنی چیزوں سے مکمل پرہیز کیا جائے۔
2. ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق دوائیں استعمال کی جائیں۔
3. کھانے کی عادات میں حسب ہدایت تبدیلی لائی جائے۔
4. مناسب ورزش اور جسمانی کام یا محنت کے ذریعے جسم کے وزن کو برقرار رکھا جائے۔
5. وقتاً فوقتاً شکر کی جانچ کرتے رہیں تا کہ یہ 200 سے زائد نہ ہونے پائے۔ (کھانے کے بعد)

ذیابیطس کوئی متعدی بیماری نہیں ہے یعنی یہ ایک سے دوسرے شخص کو نہیں لگ سکتی۔ حالانکہ یہ موروثی ضرور ہے۔ یعنی ماں باپ میں سے کسی ایک کو ہو تو اولاد میں اس کی علامات جلدی ظاہر ہوسکتی ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ البتہ ذیابیطس سے دوسری بیماریوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے اور جن افراد میں ذیابیطس کے ساتھ دل کی بیماری ہو تو یہ سنگین صورت اختیار کرسکتی ہے۔ ذیابیطس ایک ایسی بیماری ہے جس کی علامات ظاہر نہیں ہوتیں۔ جب تک روگی کو علم ہو کافی دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ بعض صورتوں میں جسم کے اعضا کسی حد تک متاثر ہوتے ہیں جیسے دل پر اس کے اثرات تو پڑتے ہی ہیں ساتھ ہی گردے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ دل کی شریانوں پر بھی اس کے اثرات پڑتے ہیں بعض صورتوں میں بینائی متاثر ہوتی ہے جس کا علاج لیزر کے ذریعے کروانا پڑتا ہے۔ طویل عرصے تک ذیابیطس رہنے سے گردوں کی جھلی متاثر ہوتی ہے جس کے نتیجے میں پیشاب سے لحمیات خارج ہونے لگتے ہیں۔ یہ شکایت جان لیوا بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ جس قدر وزن بڑھتا ہے امراض قلب مختلف قسم کے سرطان (جیسے چھاتی کا کینسر، بچے دانی کا کینسر، گردے، قولون اور غذا کی نالی کا کینسر) کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ اسی طرح ذیابیطس سے فالج کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ دل کو اور گردوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ بینائی متاثر ہوتی ہے۔ اعصابی شکستگی ہوتی ہے۔ یہ پایا گیا ہے کہ یورپ میں عورتوں کی ایک تہائی تعداد کا وزن زیادہ ہوتا ہے اور ہمارے ملک میں بھی یہ ہوا چل گئی ہے۔ اس سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ احتیاط اختیار کر کے ان شکایات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

گردوں کا شمار اعضائے رئیسہ میں ہوتا ہے۔ ان کے صفائی کے عمل میں دشواری آنے سے گردوں کی صفائی (ڈائلسس) کی نوبت آجاتی ہے۔ بلکہ گردے تبدیل کرنے بھی پڑ سکتے ہیں۔ جس کے پیچھے لاکھوں روپے کا خرچ ہے۔ بار بار ڈائلسس بھی خطرہ سے خالی نہیں اور کچھ عرصے بعد یہ بھی بے اثر ثابت ہوتا ہے اور متاثرہ شخص کی موت بھی ہوسکتی ہے۔

بظاہر ذیابیطس اور دل کے عوارض دو مختلف چیزیں

ہیں مگر ذیابیطس میں مبتلا افراد کی اکثریت پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتی ہے، ان میں سرفہرست دل سے جڑے امراض ہیں، گویا ذیابیطس میں مبتلا شخص کو دل کی بیماری ہونے کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ذیابیطس میں مبتلا افراد میں سے پچاس فی صد کی اموات کا سبب عارضہ قلب ہی ہوتا ہے۔ یادر ہے بلڈ پریشر کی زیادتی اکثر اوقات ذیابیطس کے ساتھ ہی موجود ہوتی ہے۔ بلڈ پریشر کی زیادتی گردوں کی خرابی کے عمل کو تیز کر دیتی ہے اور عروق شعریہ (کیپلریز Capillaries) میں خرابی واقع ہوتی ہے۔ ذیابیطس کے مریضوں کے گردوں کی شریان میں سوزش اور تنگی پیدا ہوتی ہے جس سے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ بڑی عمر کے ذیابیطس مریضوں میں انقباضی دباؤ زیادہ پایا جاتا ہے۔ خون اور دل میں چکنائی بڑھنے سے شریانوں پر اس کے اثرات بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے دل کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ اعصاب اور نسوں کی شکستگی سے پاؤں سُن ہو جاتے ہیں، فالج، جوڑوں میں درد، تلووں میں شدید جلن ہوتی ہے۔ رات کو ٹانگوں میں درد رہتا ہے اور خاص بات یہ کہ کوئی زخم مندمل ہونے میں خاصا وقت لگتا ہے بلکہ زخم ناسور بھی بن سکتا ہے۔ پیروں میں زخم آنے سے ٹانگ کاٹنے کی نوبت آسکتی ہے۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ یہ مرض پیدا ہونے ہی نہ پائے۔ مرغن غذائیں کم سے کم استعمال کریں۔ شراب نوشی، سگریٹ نوشی سے دور رہیں۔ غذا میں سبزیوں کا استعمال زیادہ ہو، بازاری چیزوں سے اجتناب کریں۔ سکون بہت ضروری ہے۔ بے جا غصے سے بھی بچیں۔ ان باتوں پر عمل کر کے اسے ٹالا جا سکتا ہے۔

طبی ماہرین کی رائے ہے کہ دونوں عارضوں سے متاثر افراد کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے یہ دونوں امراض ایک دوسرے کے لیے سازگار ماحول تیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ہمارے ملک میں یہ شکایت تیزی سے پھیل رہی ہے اور امراض قلب اور ذیابیطس دونوں سے متاثرہ افراد کے بڑھنے کے اور چانسز ہیں۔ طبی ماہرین جو احتیاطی تدابیر بتلاتے ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر ان بیماریوں کو ٹالا جا سکتا ہے۔

موجودہ طرز زندگی بھاگ دوڑ، جدوجہد سے عبارت ہے۔ ہر شخص ذہنی دباؤ میں جی رہا ہے۔ ہر کوئی منزل مقصود کو پالینا چاہتا ہے۔ اس کے لیے ساری تگ و دو ہے۔ ناقص غذاؤں، آلودگی کے باعث انسانی وجود خطرے میں آ گیا ہے۔ مادیت اور زر پرستی بڑھ چکی ہے اور زندگی میں ایک مقام کو پانے کے لیے ہر آدمی کوشاں ہے چاہے اس کے لیے کتنی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ وسائل اور اچھے کیریئر کی تلاش میں اس کے پاس نہ تو فرصت ہے نہ سکون۔ زندگی مشینی بن کر رہ گئی ہے اور ہر آدمی اپنے مقصد کی تلاش میں دوڑا جا رہا ہے۔ ذہنی دباؤ، موٹاپا، ذیابیطس وغیرہ عام ہو گئے ہیں اور انسان کو ان چیزوں کے لیے سوچنے کی فرصت نہیں۔ ادھر انسانی جذبات، اعلیٰ اخلاقی اقدار بھی متاثر ہو رہے ہیں کیونکہ مطمح نگاہ صرف دولت کمانا ہے۔

■

**ماخذ:** ہمارا طرزِ زندگی اور بیماریاں

**مصنف:** ڈاکٹر جاوید احمد سعیدی کامٹوی، **سنہ اشاعت:** 2015، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

# تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔

1. بین الاقوامی یوم اساتذہ کب منایا جاتا ہے؟
2. اردو کی پہلی شاعرہ کا نام بتائیں؟
3. اردو کا عوامی شاعر کسے کہا جاتا ہے؟
4. ہوائی جہاز کے جس حصے میں مسافر بیٹھتے ہیں اسے کیا کہتے ہیں؟
5. وہ کون سا جانور ہے جو بغیر پیروں کے تیزی سے دوڑ سکتا ہے؟
6. سی سی ٹی وی کس نے ایجاد کیا؟
7. ہندوستان میں قدرتی گیس کب دریافت ہوئی؟
8. دنیا کا سب سے بڑا فٹ بال اسٹیڈیم کہاں واقع ہے؟
9. یونائٹیڈ نیشن کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟
10. جنگل بک کس نے لکھا؟
11. ہندوستان نے اقوام متحدہ کی رکنیت کب حاصل کی؟
12. سورج کی روشنی زمین تک پہنچنے میں کتنا وقت لیتی ہے؟
13. شاعر انقلاب کس شاعر کو کہا جاتا ہے؟
14. رقبے کے لحاظ سے ہندوستان کی سب سے چھوٹی ریاست کون سی ہے؟
15. ہوا میں سب سے زیادہ کون سی گیس پائی جاتی ہے؟
16. بین الاقوامی یوم سیاحت کب منایا جاتا ہے؟
17. ہندوستان کے سب سے بڑے عجائب گھر کا نام بتائیں؟
18. ہارڈ ڈسک کیا ہوتی ہے؟
19. دوربین کو انگریزی میں کیا کہا جاتا ہے؟
20. ہندوستان میں پہلا ریڈیو اسٹیشن کب اور کہاں قائم ہوا؟

(جواب صفحہ نمبر 41 پر ملاحظہ فرمائیں)

علینہ اعجاز الدین شیخ، درجہ ششم، بیگم قمر النساء کاریگر گرلز ہائی اسکول و جونیئر کالج، مہاراشٹر

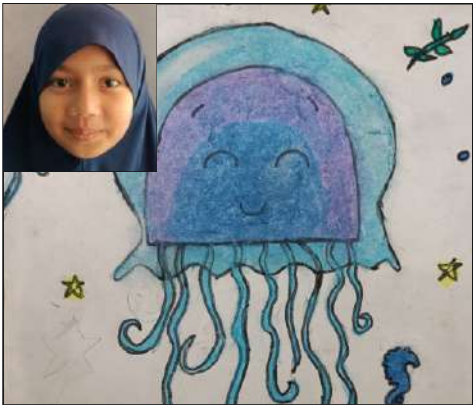

شفا بی شفیق خان، درجہ سوم، زیڈ پی اردو کنیا
نمبر 1 اسکول، بھڑگاؤں، جلگاؤں، مہاراشٹر

ذکریٰ سالم شیخ، درجہ سوم، زیڈ پی اردو کنیا
نمبر 1 اسکول، بھڑگاؤں، جلگاؤں، مہاراشٹر

ارسلان احمد، درجہ کے جی اوّل، ہیریٹیج انٹرنیشنل اسکول ناگپور، مہاراشٹر

شفا منال عبدالآخر چودھری، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

ذیشان خان مصطفیٰ خان، درجہ پنجم
ضلع پریشد اردو اسکول ہیوکھیڑ تعلقہ تلہارا، ضلع آکولہ، مہاراشٹر

تبسم ذاکر ملا، درجہ ہشتم، الہدیٰ اردو میڈیم پرائمری اینڈ ہائی اسکول، وجے پور، کرناٹک

احسن ابن عبدالرحیم نازش، انسان اسکول ارریہ، بہار

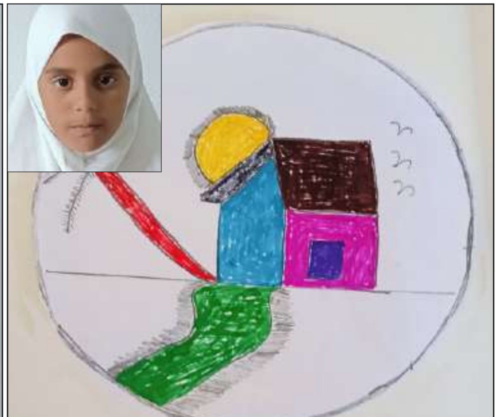

علیشہ بی سید سلیم، درجہ سوم، گورنمنٹ اردو نیو مڈل اسکول شاہ پور، ضلع برہانپور، ایم پی

ماہین پیغام گنگور، درجہ ہشتم، الہدیٰ اردو میڈیم پرائمری اینڈ ہائی اسکول، وجے پور، کرناٹک

احمد منظر، درجہ چہارم اے، سید عابد حسین، سینئر سیکنڈری اسکول، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

عالیہ اقبال، درجہ ششم، ہمدرد پبلک اسکول، نئی دہلی

امیمہ آصف مساوالگی، درجہ ہشتم، الہدیٰ اردو میڈیم پرائمری اینڈ ہائی اسکول، وجے پور، کرناٹک

مسفرہ ارم آزاد خان، درجہ سوم، ضلع پریشد اردو اسکول
پیپل گاؤں کالے، جلگاؤں، مہاراشٹر

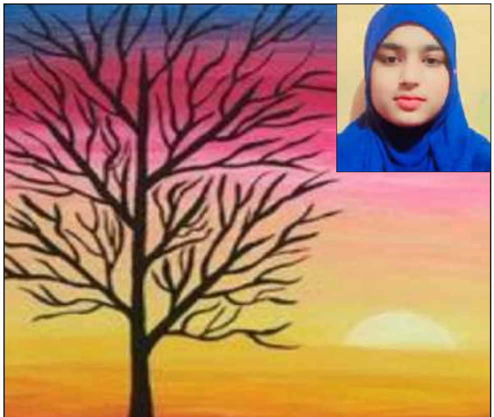

مسکان بی شبیر شاہ، درجہ بازدہم
گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

محمد روحان، درجہ دوم، 1196، پنجابی پھاٹک، بلّیماران، دہلی۔ 110006

ذہان عامر، درجہ پنجم، میور انٹرنیشنل اسکول، نوئیڈا، اتر پردیش

زارا صدیقہ شیخ راجو، درجہ سوم، ضلع پریشد اردو اسکول پیپل گاؤں
کالے، جلگاؤں، مہاراشٹر

# قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہوپاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

**قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:**

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, सितंबर 2025, वर्ष 13, अंक 09
BACHON KI DUNIYA Monthly, September 2025 Vol. 13, Issue: 09
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/08/2025
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

## بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

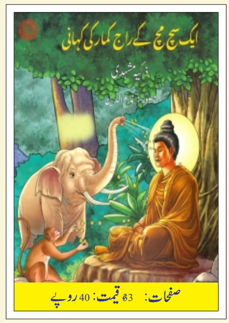

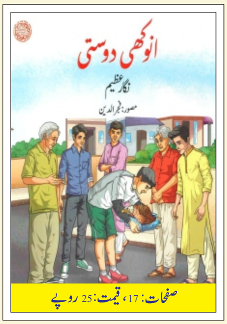


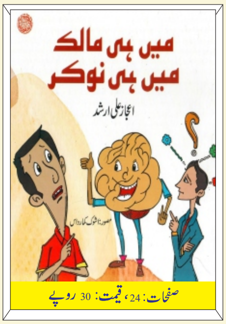


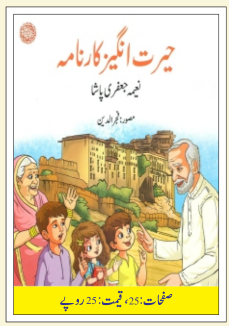

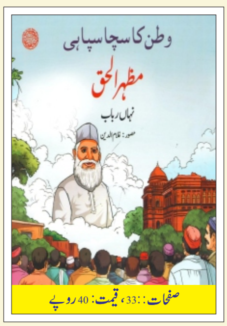


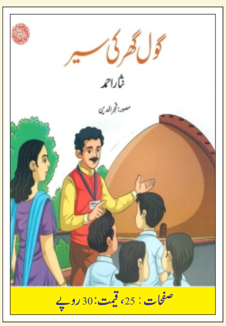


خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.